تکمیلُ الایمانُ

تصنیف وتالیف:

رئیس المحدثین شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

تعلیقات وحواشی:

امام اہلسنت اعلیحضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ العزیز

ترتیب وترجمہ:

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی - ایم - اے

(ناشر)

مکتبہ نبویہ ○ گنج بخش روڈ ○ لاہور

نام کتاب : ــــــ تکمیل الایمان
مصنف : ــــــ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
حواشی : ــــــ اعلیحضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی
مرتب : ــــــ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ایم۔اے
دیباچہ : ــــــ ابوالبیان مولٰنا غلام علی صاحب اوکاڑوی مدظلہ
کتابت آفسٹ : ــــــ محمد یوسف کاتب کیلانی
طباعت : ــــــ ایورگرین پریس لاہور
تعداد : ــــــ ایک ہزار ۱۰۰۰
تاریخ اشاعت : ــــــ جنوری [illegible]ء
قیمت ۲۱/- روپے

موضوعات و مضامین

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مقاصد ــــــ اعتقادی خدمات اور ــــــ اثرات

رشحات خامہ ابوالبیان مولٰینا غلام علی صاحب اوکاڑوی مدظلہٗ

دسویں صدی ہجری کی مختلف مذہبی تحریکوں کے افکار و نظریات کا تجزیہ کیا جائے، تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اس دَور کا سب سے اہم مسئلہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح مقام اور حیثیت متعین کرنا تھا۔ حضرت شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں تصوّرِ امام، عقیدۂ مہدویت، نظریہ الفی اور دینِ الٰہی کی نظریاتی تحریکیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص مقام و مرتبہ پر کسی نہ کسی طرح بُرے اثرات مرتب کر رہی تھیں۔ ان حالات میں شیخ محدث دہلوی رح نے نظریاتی نکھار کے لیے جو کام کیا، وہ آپ کی بے شمار علمی اور روحانی خدمات میں سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اور ارفع مقام کی پوری طرح توضیح فرمائی۔ اور عظمتِ مصطفٰی کے خلاف ہر آواز پر شدید تنقید کی۔ یہ حضرت شیخ کا احسانِ عظیم ہے کہ ہمارے دورِ پُرفتن میں بھی جب کہ ہر طرف سے ملحدین اور دوسرے بدعقیدہ شانِ رسالت کی تنقیص میں ناپاک کوششیں کر رہے ہیں شیخ کے فرمودات و نگارشات دنیائے اسلام کے جویائے حق لوگوں کو مشعلِ راہ کا کام دے رہی ہیں۔

حضرت شیخ کی زیرِ نظر تالیف "تکمیل الایمان" اسی سلسلہ میں علم عقائد ہی کی ایک معتمد اور مستند مگر مختصر کتاب ہے۔ ہم نہایت اختصار کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کریں گے جس سے یہ ذہن نشین ہو جائے گا کہ اس اہم کتاب کے مطالعہ کی افادیت کے وہ کون سے پہلو ہیں جو قاری کے پیشِ نظر رہنے چاہییں۔ نیز شیخ کن نظریات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

اعتقادی طور پر عصر حاضر کا اہم مسئلہ مقام رسالت اور عظمت مصطفیٰ کا تعین ہے۔ شیخ نے اس مسئلہ کو جس بصیرت اور علمی کمال سے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ اس سے شیخ کے عقائد و نظریات واضح ہوتے ہیں۔ یہ مقصد صرف تکمیل الایمان سے ہی نہیں بلکہ آپ کی دوسری تصانیف سے بھی پورا ہوتا ہے۔

دیباچہ اخبار الاخیار میں یوں رقمطراز ہیں:

"ہمچنانکہ شکر و سپاس خالق موجودات از حیطۂ امکان و احاطۂ انسان بیرون است۔ مدح و ثنائے سید کائنات از مجال شرح و بیان افزون و ہرچہ بر مرتبہ احدیت متعین است۔ حقیقت محمدیہ آں مرا متعین است۔ و آنچہ جز مرتبہ ذات احد بہم صفات احمد آراستہ و ہرچہ از انوار علوی و سفلی ظاہر است ہمہ از پرتو نور آن اجمل مظاہر است ؎

حق را بچشم اگرچہ ندیدند لیکنش
از دیدنِ جمال محمد شناختند"

پھر اس کے بعد بارگاہِ رسالت میں اپنی عقیدت کے موتی یوں منظوم فرماتے ہیں ؎

"خیر الوریٰ۔ امام رُسُل مظہر اتم — او از خدا و ہرچہ جز او منتہی از او
او جانِ جملہ عالم و حق جانِ جان شمار — حق را بغیر واسطۂ ذاتِ او مجو"

پھر اسی دیباچہ میں مقامِ رسالت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"در اول باعث خلقتِ عالم است و در آخر واسطۂ ہدایت بنی آدم۔ در باطن مربی ارواح و در ظاہر متمم اشباح۔ کاسر ارکان ادیان و دول ناسخ احکام ملل و نحل۔ قصر خاتم وجود نسر معرفت و شہود، مقصود متکلمان مقصورۂ افلاک، مقصد سالکان معمورۂ خاک، متمم مکارم اخلاق، مکمل کاملانِ آفاق۔ حاجز منزلین وجود و عدم برزخ بحرین حدوث و قدم۔ جامع نسخۂ امکان و وجوب، رابطۂ طالب و مطلوب [illegible] مملکت احدیت، مظہر حقیقت فردانیت [illegible] مکتوبہ غیب لاہوت، طلسم معلوم گنج جبروت [illegible]

ارواح ملکوتیہ، مزین اشباح ناسوتیہ، بدایت خط ولایت، نہایت دائرہ نبوت، مظہر اتم، رحمت اعم، عقل اول، ترجمان ازل، نور الانوار، سر اسرار، ہادی سبل، سید رسل، نور الٰہی، سر الٰہی، حبیب اعلیٰ، صفی اصفیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے

سید رسل، شفیع امم، خواجۂ دو کون — نور ہدیٰ حبیب خدا سید انام

مقصود ذات اوست دگر ہا ہمہ طفیل — منظور نور اوست دگر جملگی ظلام!

ہر رتبہ کہ بود در امکاں بروست ختم — ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بروتمام"

مدارج النبوت شریف جلد اول کے دیباچہ میں یوں فرماتے ہیں:

"هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ ایں کلمات اعجاز سمات ہمہ مشتمل بر حمد و ثنائے الٰہی است۔ تعالیٰ و تقدس کہ در کتاب مجید خطبۂ کبریائی خود بداں خواندہ۔ وہم متضمن نعت و وصف حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کہ وے سبحانہٗ اورا بداں تسمیہ و توصیف نمودہ و چندیں اسمائے حسنیٰ جل شانہٗ است کہ در وحی متلو و غیر متلو حبیب خود را بداں نامیدہ و حلیہ جمال و حلی کمال وے ساختہ۔ اگرچہ آں صلی اللہ علیہ وسلم بتمامہ اسماء و صفات الٰہی متخلق و متصف است باوجود آں بہ بعضے ازاں بخصوص نامزد و نامور گشتہ است مثل نور حق علیم، حکیم، مؤمن، مہیمن، ولی، ہادی، رؤف، رحیم و جز آں وایں چہار اسم اول و آخر، ظاہر و باطن نیز ازاں قبیل است۔"

ان چار اسمائے ظاہر و باطن، اول و آخر کی تشریح فرماکر تحریر فرماتے ہیں:

وھو بکل شیء علیم و وے صلی اللہ علیہ وسلم داناست بر ہمہ چیز از شیونات ذات الٰہی و احکام صفات حق و اسماء و افعال و آثار و بجمیع علوم ظاہر و باطن، اول و آخر احاطہ نمودہ و مصداق و فوق کل ذی علم علیم شدہ۔ علیہ من الصلوۃ و افضلہا و من التحیات اتمہا و اکملہا۔"

شیخ کے ہاں حقیقت محمدیہ عالم کے ذرے ذرے میں موجود ہے۔ مدارج النبوت جلد اول کے صفحہ ۱۳۵

میں یوں گویا ہیں:

"در بعضے کلام بعضے عرفا واقف شدہ کہ خطاب از مصلی بملاحظہ شہود روح مقدس آنحضرت وسریان وے در ذرارے موجودات خصوص در ارواح مصلین ست و بالجملہ دریں حالت از شہود و وجود و حضور آنحضرت غافل و ذاہل نباید بود بامید درود فیوض از روح پُرفتوح وے صلی اللہ علیہ وسلم۔"[1]

اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۴۰۱ ملاحظہ ہو:

"پس آنحضرت در ذات مصلیاں موجود و حاضر است پس مصلی (نمازی و درود خواں) را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد"

وسعت اختیارات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خیالات ملاحظہ فرمائیں:

"و ازا الجملہ آنست کہ آنحضرت تخصیص می کرد ہر کرا بہر چہ می خواست از احکام ایں جا دو قول است یکے آنکہ احکام مفوض بود بوے صلی اللہ علیہ وسلم بہر چہ خواہد حکم کند۔ دوم آنکہ بہر حکمے وحی خدای شد چنانکہ تخصیص کرد خزیمہ بن ثابت را بآنکہ شہادت وے حکم دو شہادت دارد۔"

"وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلیفہ مطلق و نائب کل جناب اقدس است می کند و می دہد ہر چہ خواہد باذن وے۔

فان من جودك الدنيا وضرتها
ومن علومك علم اللوح والقلم

جزاہ اللہ عنا خیر الجزا۔"

اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۲۵ پر مشہور حدیث ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماتحت فرماتے ہیں:

"از اطلاق سوال کہ بفرمود سَلْ۔ بخواہ۔ و تخصیص نہ کرد بمطلوبے خاص۔ معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔"[2]

پھر قصیدہ بردہ شریف کا اوپر والا بیت نقل فرماتے ہیں: فان من جودك الدنيا الخ

---

[1] مدارج النبوت جلد اول ص ۱۳۵ — [2] اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۳۲۵

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری — بدرگاہش بیا و ہرچہ میخواہی تمنا کن

بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما — بلطف خود سر و سامان جمع بے سر و پا کن "

وسعت علوم نبویہ پر قلم اٹھاتے ہوئے شیخ کا انداز بیان ملاحظہ ہو:

شرح مشکوٰۃ شریف فارسی ج ۱ ص ۳۳۳۔ حدیث معراج منامی کی شرح پر حضور علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی (فعلمت ما فی السمٰوٰت والارض) کے ماتحت فرماتے ہیں:

"پس دانستم ہرچہ در آسمانہا و ہرچہ در زمین بود۔ عبارت است از حصول تمامہ علوم جزوی و کلی و احاطہ آں۔"

مدارج جلد ۱ صفحہ ۱۴۴ پر حضور علیہ السلام کے فضائل بیان کرتے ہوئے رقم پذیر ہیں:

"و از انجملہ آں ست کہ ہرچہ در دنیاست از زمان آدم تا اوان نفخہ اولیٰ بروے منکشف ساختند تا ہمہ احوال را از اول تا آخر معلوم کرد و یاران خود را نیز از بعضے از اں احوال خبر داد۔"

حیات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کے متعلق شیخ کے اعتقادات ملاحظہ ہوں:

"باید دانست کہ خلاف در غیر انبیاست صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین کہ ایشاں احیاء اند بحیات حقیقی دنیاوی باتفاق و اولیاء بحیات اخروی معنوی" (شرح مشکوٰۃ، ج ۱ ص ۶۰۲)

پھر مدارج النبوت ج ۲ ص ۴۴۷ پر فرماتے ہیں:

"بدانکہ حیات انبیاء صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میاں علماء ملت و ہیچ کس را خلاف نیست دراں کہ آں کامل تر و قوی تر از وجود حیات شہداء و مقاتلین فی سبیل اللہ است کہ آں معنوی اخروی است و حیات انبیاء حیات حسی دنیاوی ست و احادیث و آثار دراں واقع شدہ۔"

حیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کا حاضر و ناظر ہونا شیخ کے نظریات میں یوں تھا:

"پوشیدہ نماند کہ بعد از اثبات حیات حقیقی حسی دنیاوی اگر بعد از اں گو بند کہ حق تعالیٰ جسد شریف را حالتے و قدرتے بخشیدہ است کہ در ہر مکانے کہ خواہد تشریف بخشد

خواہ بعینہ یا بامثال خواہ برآسمان یا بر زمین و خواہ در قبر شریف یا غیر وے۔ نیز صورتے وارد۔ با وجود نسبت خاص بقبر در ہمہ حال"۔ (مدارج ج ۲ ص ۴۵۰)

اور اپنے مکتوب شریف "سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل علیٰ ہامش اخبار الاخیار صفحہ ۱۶۱ میں لکھتے ہیں:

"با چندیں اختلافات و کثرتِ مذاہب کہ در علمائے امت ست یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز و توہم تاویل دائم و باقی ست و بر اعمال امت حاضر و ناظر و مر طالبان حقیقت را و متوجہان آنحضرت را مفیض و مربی ست"۔

توسل و استمداد پر شیخ کے اعتقاد و نظریہ پر ذیل کی عبارت شاہد عادل ہے:

"حجۃ الاسلام امام محمد غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوے در حیات، استمداد کردہ میشود بوے بعد از وفات"۔[1]

پھر اسی مسئلہ کو ذرا تفصیل سے تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"و بیت شعری چہ می خواہند ایشاں باستمداد و امداد کہ ایں فرقہ منکر اند آنرا آنچہ می فہمیم از آں ایں است کہ داعی محتاج فقیر الی اللہ دعا می کند خدا او طلب می کند حاجت خود را از جناب عزت و غناء وے و توسل می کند بروحانیت ایں بندہ مقرب و مکرم در درگاہ عزت وے۔ ۔ ۔ ۔ یا ندا می کند ایں بندہ مکرم و مقرب را کہ اے بندہ خدا اے ولی وے باشفاعت کن مرا بخواہ از خدا کہ بدہد مسئول و مطلوب مرا و قضا کند حاجت مرا"۔[2]

"بدانکہ ایں حدیث صحیح متفق علیہ دز نیج است در ثبوت سماع مر اموات را و حصول علم مر ایشاں را بآنچہ خطاب کردہ می شوند"۔[3]

---

[1] اشعۃ اللمعات، جلد اول۔ صفحہ ۷۱۵

[2] اشعۃ اللمعات، جلد سوم۔ صفحہ ۴۰۱

[3] اشعۃ اللمعات، جلد سوم۔ صفحہ ۳۹۹

نماز کے بعد ذکر جہر مشروع ہے۔ اور اشعۃ اللمعات ج ۱ کے صفحہ ۴۱۸ میں باب الذکر بعد الصلوٰۃ کے ماتحت فرماتے ہیں:

"بدانکہ جہر بذکر مطلقاً و بعد از نماز مشروع ست وارد شدہ ست در روے احادیث دریں حدیث دلیل ست بر مشروعیت جہر بذکر و آں ثابت ست بے شبہ بلکن خفی افضل ست در غیر آنچہ وارد است در روے جہر۔"

اس ضمن میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا ایک فتویٰ متعلق بذکر جہر کی نقل قارئین کے لیے مفید ہوگی:

"دیگر حقیقت ذکر جہر حق آں ست کہ انکار آں سفاہت واضح است در تلاوت قرآن جہر صریح است۔ ما اذن اللہ لشیء ما اذن یعنی تغنی بالقرآن بجہریت۔ و در تلبیہ حج آمدہ افضل الحج العج والثج ای رفع الصوت بالتلبیۃ و اراقۃ الدم و قرآن را فضیلت معروف است و کنا نعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالذکر و فضل الذکر الذی یسمعہ الحفظۃ علی الذی لا یسمعہ الحفظۃ بسبعین ضعفا۔ و بنائے طریقہ چشتیہ و اویسیہ و قادریہ کہ ہمہ پیران ما اند بر ذکر جہر است ..... ذکر جہر موجب جمعیتے ست است کہ بالاتر ازاں جمعیتے نیست۔" (فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۱۷۰)

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار الاخیار شریف میں ہندوستان کے اکابر اور مشاہیر صوفیہ کا ذکر اپنے ایک مخصوص اور فاضلانہ انداز میں نہایت ہی رنگین اور شیریں بیانی کے ساتھ فرمایا ہے۔ مگر سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ سے ان کو جو بے پناہ عقیدت تھی اس کا اظہار ان تالیفات شریفہ میں عجیب انداز سے فرمایا ہے۔ اخبار الاخیار کے خاتمہ میں اپنے حالات تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر دیگراں قطب اند او قطب الاقطاب است، و اگر ایشاں سلاطین او سلطان السلاطین۔ محی الدین کہ دین اسلام زندہ گردانید۔ ملت کفر را میرانید کہ الشیخ یحیی و یمیت۔ زہے مرتبہ کہ ایجاد دین از محی قیوم است و احیا از وے۔

غوث الثقلین آنرا گویند کہ جن و انس ہمہ بوے پناہ جویند من بیکس نیز پناہ بار جستہ ام۔ و بر درگاہ او فتادہ۔ مرا جز عنایت او کس نیست و بغیر لطف او فریاد رس نے۔"

اس کے بعد نظم میں عقیدت کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اوست در جملہ اولیاء ممتاز   چوں پیمبر در انبیاء ممتاز

غوث پاک کی مشہور تصنیف فتوح الغیب کا ترجمہ فرمایا ہے۔ مگر شرح میں اپنا الگ مقدمہ یا نام نہیں لکھا۔ یہ بارگاہ غوثیت میں کمال ادب تھا۔ فرماتے ہیں:

"ذکر نام ایں حقیر خود چہ حد زہجال کہ دریں مقام تواں برد۔"

ان اقتباسات کی روشنی میں ہمیں اس نتیجہ پر پہنچنے میں ذرا دقت نہیں ہوگی کہ شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے اکبری عہد الحاد میں مقام مصطفیٰ اور عقائد اہل سنت کی صحیح ترجمانی میں کتنا بڑا کام کیا ہے۔ آپ نے احادیث، فقہ، سیر، تصوف، نعت، غرضیکہ تمام علوم میں کتابیں لکھیں جو مقبول بارگاہ صمدیت اور منظور بارگاہ رسالت ہونے کے ساتھ ساتھ قبولیت خلائق حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ آپ نے ہر نقطۂ نظر سے عقائد کے نکھار اور سنوار کا کام کیا۔ یہ شیخ ہی کی دینی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ مغل اعظم کی بے راہ روی بعد الحاد و بے دینی کے علی الرغم پاک و ہند میں اسلام کی بنیادیں مضبوط رہیں، اور اسی مغلیہ خاندان کے چشم و چراغ شاہجہان اور اورنگ زیب کی شکل میں دین کی خدمت میں وقف ہو گئے۔

زیر نظر کتاب تکمیل الایمان میں شیخ نے نہایت سادہ انداز میں عقائد کی ان موٹی موٹی باتوں کو بیان کیا ہے جو ایک عام مسلمان کے لیے ضروری ہیں۔ ایسی کتاب کی بہت ضرورت تھی اور موجودہ دور میں صحیح عقائد کی جستجو کرنے والے ذہن اسے مفید پائیں گے۔

فارسی شناسی اور ذوق فارسی اب قریبًا قریبًا ختم ہوتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے فاضل نوجوان علامہ اقبال احمد صاحب فاروقی ایم اے نے اس مفید کتاب کو اردو لباس پہنا کر عام پڑھے لکھے مسلمانوں کے لیے مطالعہ کی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ علامہ صاحب اپنی محنت پر اس بات پر مزید مستحق مبارک ہیں کہ انہوں نے شیخ کے خیالات کو مجدد مائۃ حاضرہ امام اہل سنت اعلیحضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی سے مزید

کرکے اہلِ علم کے لیے دلائل وبراہین کا ایک بے پناہ ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ میری نظر میں اب یہ کتاب صرف عام قاری کے مطالعہ کے لیے ہی نہیں بلکہ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گراں قدر حواشی کی وجہ سے علمائے کرام کے مطالعہ کے لیے بھی ضروری اور مفید ہوگئی ہے۔ مرتب کی اس کوشش نے اس کتاب کو پاک و ہند کی دو عظیم سُنّی اعتقادی شخصیتوں کے خیالات کو یکجا جمع کر کے ایک امتیازی اور انفرادی حیثیت دے دی ہے۔

شیخ نے اکبری دَور کی بداعتقادی اور اس زمانہ کے نظریاتی فتنوں کے خلاف اہل سنت کو محفوظ رکھنے میں جہاد کیا، اعلیٰحضرت بریلوی نے دَورِ عروج کے طوفانوں کا مقابلہ کیا۔ ان دونوں بزرگوں کے خیالات کا یکجا جمع ہونا ہمارے لیے باعثِ فخر ہے۔ اندریں حالات مجھے اہل علم سے یہ التماس کرتے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ وہ اس اہم اور مفید ایڈیشن کو اپنے ذاتی کتب خانہ میں رکھیں، مطالعہ کریں اور احباب کو اس کے مطالعہ کی سفارش کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

فقیر حقیر اضعف العباد اللہ القوی الباری عبدالحق بن سیف الدین الترک الدہلوی البخاری معروض ہے کہ یہ کتاب مسمّٰی بہ "تکمیل الایمان و تقویۃ الایقان" عقائد اسلام اور مسلکِ اہلسنت و جماعت کے قواعد پر مشتمل ہے۔ یہ بہترین فوائد لطیف معانی کا خزانہ ہے۔ کلام کی وضاحت اور مطالب کی تشریح اس انداز سے کی گئی ہے۔ جس سے اللہ نے چاہا تو دلوں پر اثر ہو گا اور نظر و قلب نور یقین سے منور ہو جائیں گے۔ اسے ہر مومن جس کے دل میں طلب صادق ہے کے لئے لکھا گیا ہے۔ میں نے اس میں نہایت اختصار کے ساتھ صحیح مذہب کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور صحیح اقوال کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ میں نے مذاہب باطلہ سے کچھ تعرض نہیں کیا اور نہ ہی اقوال مذاہب باطلہ پر بحث کی ہے۔ میں نے انتہائی کوشش کی ہے کہ بحث و استدلال اور قیل و قال کی الجھنوں سے دور رہ کر اظہار مدعا کیا جائے۔ میں نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ علم کلام کے دلائل اور فلسفیانہ

موشگافیوں سے طالبِ حق کو تذبذب وحیرت کا سامنا کرنا پڑے اور اسے حصولِ مطلب اور وصولِ مقصد میں دشواری نہ ہو۔ اللہ ہی توفیق کا مالک اور اس کے ہاتھ میں تحقیق کی توفیق ہے۔

— اشیاء کی حقیقتیں :

تمام چیزوں کی حقیقتیں واضح اور ثابت ہیں۔ تمام عقائد اور احکام کی بنیاد صرف اس عقیدے پر ہے کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہے۔ اور یہ حقیقت کسی کے علم میں آنے یا اعتقاد کرنے پر موقوف نہیں۔ اور محض وہم وخیال پر بھی دارومدار نہیں رکھتیں جس طرح کہ پانی حقیقت میں پانی ہے اور آگ حقیقت میں آگ ہی ہے۔ اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ آگ کو پانی تصور کر لیا جائے یا پانی کو آگ پر محمول کر لیا جائے تو اس وہم عقیدہ یا خیال سے ان اشیاء کی حقیقتیں بدل جائیں گی۔ اگر ہم گرم کو سرد کہنے لگیں یا سرد کو گرم کہنے لگیں تو گرم چیز سرد اور سرد گرم نہیں ہو سکتی۔ جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے۔ ان کو سوفسطائی کہتے ہیں۔ یہ بات عقل اور شرع کے لحاظ سے ہر طرح غلط اور بیہودہ ہے کوئی عقل والا یہ نہیں کہے گا کہ پانی اور آگ کی حقیقت محض وہم وگمان ہے۔ اور اگر کچھ حقیقت ہے تو بس اعتقاد ہی کی بدولت ہے۔

ایک اور طبقہ ایسا ہے، جو سوفسطائیوں کی طرح ہر چیز کی نسبت شک کرتا ہے کہ وہ موجود بھی ہے یا نہیں۔ حتیٰ کہ انہیں اپنے آپ پر بھی شک رہتا ہے۔ یہ ان کا کلام نامعقول اور لایعنی ہے۔ ایسے لوگوں سے زبانی بحث ومناظرہ میں وقت ضائع کرنا بے نتیجہ ہوگا۔ ان کا تو بس ایک ہی علاج ہے کہ انہیں آگ میں جلا دیا جائے تاکہ انہیں آگ کی گرمی سے آگ کی حقیقت کا علم ہو جائے اور اگر جل مریں تو ایسے کج بحث لوگوں سے دنیا کو نجات مل جائیگی۔ اور ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔

— عالم عارضی ہے۔

یہ عالم عارضی (حادث) ہے قدیم نہیں۔ ذاتِ حق یا اس کی صفات کے علاوہ ہر چیز حادث ہے۔ ہر چیز عدم سے وجود میں آئی ہے اور قدیم نہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا :

کان اللہ ولم یکن معہٗ شیٔ — اللہ ازل میں موجود تھا اس کے ہمراہ کوئی چیز نہیں تھی۔

عقلی دلیل یوں ہے کہ عالم تغیر و حوادث کا مقام ہے جو ایسا ہو قدیم نہیں ہوسکتا کیونکہ قدیم تو کبھی تغیر پسند اور حوادث کا شکار نہیں ہوسکتا۔ ایک ہی حالت پر رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی جملہ صفات ایسی ہی ہیں۔ ان میں تغیر و تبدل کو کوئی گنجائش نہیں اس کی شان بلند اور برہان قوی ہے۔

— عالم فانی ہے۔

عالم موجود ہونے کے بعد فنا پذیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

کل شیٔ ھالک الا وجہہٗ — اسکے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے

فرشتے، بہشت اور دوزخ وغیرہ جن کے ہمیشہ رہنے کی خبریں احادیث میں آتی ہیں۔ اس آیت کی روشنی میں وہ بھی فانی ہیں خواہ وہ ایک لمحہ کے لئے ہی کیوں نہ ہوں۔ خداوند تعالیٰ انہیں فنا کے بعد پھر دوامی زندگی دے گا یہ اس کا کرم اور قدرت ہے۔

— عالم کا خالق ہے۔

عالم کا کوئی نہ کوئی بنانے والا (خالق) ضرور ہے جس نے اسے معدوم سے موجود بنایا۔ کیونکہ جب عالم حادث ہے اور حادث اسی کو کہتے ہیں کہ عدم کے بعد وجود میں آیا ہو لہذا حادث کو عدم سے وجود میں لانے کے لئے ایک قدیم ذات کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر حادث خود بخود رونما ہوسکتا تو اسے حادث نہیں بلکہ قدیم کہا جاتے گا۔ کیونکہ یہ عالم ہمیشہ سے نہیں تو اسے کسی نے معدوم سے موجود بنایا! ور پیدا کیا ہے (اور وہی اس کا خالق ہے)

— وہ قدیم ہے۔

وہ ہمیشہ سے ہے۔ عالم کو پیدا کرنے والا قدیم ہونا چاہیئے۔ اگر وہ حادث ہوگا تو وہ عالم کی ایک مخلوق ہوگی۔ خالق نہیں ہوسکتا۔

اس کا وجود واجب ہے وہ بذاتِ خود قائم ہے اسے کسی دوسری ذات کی محتاجی

نہیں ہے۔ کیونکہ غیر کا محتاج تو خدا ہونے کے لائق ہی نہیں۔ خدا کا معنیٰ ہی خود موجود ہونے والا اور خود آئندہ ہے۔ یہ ضروری ہے کہ تمام موجودات کا سلسلہ ایسی ایک ذات پر منتہی ہو۔ جو خود موجود ہو ورنہ یہ سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا۔ اور یہ بات غیر معقول ہے۔

—وہ واحد ہے۔

وہ یکتا ہے۔ اس نے فرمایا کہ وہ بلاشبہ واحد اور یکتا ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ جہان کا پیدا کرنے والا اور اس کے انتظام کو چلانے والا اس کے بغیر اور کوئی نہیں۔

وہ زندہ، دانا، قادر اور صاحبِ اختیار ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اسے کسی قسم کا جبر یا اضطرار نہیں ہوتا کیونکہ اتنے وسیلے جہان کا پیدا کرنا جس میں بڑی خوبی اور اتفاق پایا جاتا ہے۔ ان صفات کے بغیر ناممکن ہے۔ مردہ۔ جاہل اور غیر مختار ہستی ان انتظامات کو چلانے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ یہ صفات کسی حد تک (حیات۔ علم و قدرت۔ اور ارادہ) اس کی مخلوقات میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اگر وہ ان صفات کو بدرجہ اتم نہ رکھتا تو اپنی مخلوقات کو ان صفات سے کیسے نوازتا۔

وہ متکلم۔ سمیع اور بصیر ہے۔ گونگا۔ بہرا اندھا ناقص ہوتا ہے۔ حالانکہ خدا ہر قسم کے نقص سے پاک ہے۔ اس کی صفات پر قرآنِ پاک گواہ ہے۔ ان صفات کو عقل اور قیاس نہیں پا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا نمونہ حضرت انسان میں رکھا ہے۔ جس سے کسی قدر اس کی صفات کا اندازہ لگانے میں مدد ملتی ہے۔ لیکن فی الواقعہ انسانی صفات خدائی صفات سے کسی طرح مشابہ نہیں ہیں۔

اللہ کی صفتیں اس کی ذات کی طرح قدیم اور باقی ہیں۔ اس کی ذات کے ساتھ کوئی حادث قائم نہیں۔ اس کے کمالات ازل سے ثابت ہیں۔ کیونکہ محل حوادث حادث ہوتا ہے۔ جو قدیم ہے وہ محل حوادث نہیں ہو سکتا۔

ولیس بجسم۔ ولا جوھر۔ ولا عرض ولا مصور و مرکب ولا معدود ولا محدود ولا فی جھۃ ولا فی المکان ولا فی الزمان

مندرجہ بالا تمام صفتیں تو عالم سے وابستہ ہیں۔ اور وہ عالم کی صفات سے پاک و مبرا

ہے۔ زمانہ میں نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ زمانہ اسے احاطہ نہیں کرسکتا۔ اس کا وجود کسی زمانہ پر موقوف نہیں۔ جب زمانہ نہ تھا وہ موجود تھا وہ اب بھی موجود ہے اور اور جب زمانہ نہیں ہوگا۔ پھر بھی موجود ہوگا۔ وہ زمانہ میں نہیں۔ لا مثل لہٗ، ولا شبیہ ولا ضد ولا ندلہٗ ولا ظہیر ولا معین۔

وہ اپنے غیر سے مل کر ایک نہیں اور نہ کسی دوسرے میں حلول کرتا ہے۔ کیونکہ دو کا ایک ہونا محال ہے۔ دوئی ایک وحدت کی ضد ہے۔ غیر میں حلول تو جسم کی صفات میں سے ہے۔ مگر وہ جسم سے پاک ہے۔ وہ تمام صفات کمال سے متصف ہے۔ نقصان وزوال کی علامتوں سے پاک ہے۔ غرضیکہ جس قدر بھی بقا و کمال کی صفات پائی جاتی ہیں سب اس میں پائی جاتی ہیں۔ اور نقص وزوال کے تمام نشانات سے وہ مبرا ہے۔

قیامت کے دن دیدارِ خداوندی۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن ایمان والوں کو دیدارِ خداوندی نصیب ہوگا حدیث پاک میں ہے۔

انکم ستَرون ربکم یوم	تم عنقریب اپنے اللہ کو اس طرح
القیامۃ کما ترون القمر	دیکھو گے۔ جس طرح چودھویں رات
لیلۃ البدر	کا چاند دکھائی دیتا ہے

اس حدیث میں تشبیہ محض دیکھنے میں ہے۔ چاند اور ذات باری تعالیٰ میں تشبیہ نہیں ہے قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے دیدار میں مقابلہ۔ مواجہہ اور قرب و بعد میں نہ ہوگا۔ اسی آنکھ کو قوت بصیرت عطا ہو جائے گی جو لوگ دیدارِ خداوندی کو دل کی آنکھ (چشم بصیرت) سے دیکھتے ہیں وہ قیامت کے دن چشم سر دیکھیں گے۔ عالم آخرت حقیقت کے ظاہر ہونے کا مقام ہے جو آج باطن ہے کل ظاہر ہوگا۔ جو آج پوشیدہ ہے وہ کل واضح ہوگا۔ شارع علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا ہے۔ اس پر ایمان رکھنا چاہیئے۔ ہاں اس کی کیفیت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔

— فرشتوں کو دیدارِ الٰہی ۔

بعض کتابوں میں ایسا ہے اور یہ بات مشہور بھی کردی گئی ہے کہ فرشتوں کو دیدارِ الٰہی نہیں ہوگا۔ صرف جبرئیل علیہ السلام کو اپنی ساری عمر میں ایک بار دیکھنے کا موقعہ ملے گا۔ جنات تو دیدارِ خداوندی سے بالکل محروم رہیں گے۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسائل میں تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ امام ابوالحسن اشعری نے جو اہلِ سنت و جماعت کے امام مانے جاتے ہیں۔ اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ فرشتوں کو بہشت میں دیدارِ الٰہی ہوگا۔ امام بیہقی نے بھی اسی خیال کا اظہار فرمایا ہے۔ اپنی رائے کی تائید میں احادیث نقل کی ہیں۔ آئمہ متاخرین میں سے بھی بعض کا عقیدہ یہی ہے۔

— جنات کو دیدارِ الٰہی ۔

جنات کو دیدارِ الٰہی سے محرومی کو تو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور دیگر آئمہ کا ایک طبقہ اسی رائے کا اظہار کرتا ہے۔ نہ انہیں ثواب حاصل ہوتا ہے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہونگے۔ ان کی نیکیوں کا بدلہ صرف یہی ہے۔ کہ وہ دوزخ کی آگ سے نجات پائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم انتہائی وسیع ہے۔ وہ کسی نہ کسی وقت عذاب سے نجات حاصل کریں گے۔ اگرچہ یہ فضل و کرم (آدمیوں کی طرح) ہر روز اور ہر جمعہ کو نہیں ہوگا۔

— عورتوں کو دیدارِ الٰہی ۔

عورتوں کو دیدارِ الٰہی کے سلسلہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ انہیں بھی کبھی دیدار ہوگا۔ جس طرح دنیا کے بعض خاص ایام مثلاً عید وغیرہ انہیں گاہے بگاہے دیدارِ خداوندی نصیب ہوگا۔ انہیں خواص مومنین کی طرح صبح و شام اور عوام الناس کی طرح ہر جمعہ کے روز نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کئی احادیث آئی ہیں۔ مندرجہ بالا خیالات حضرت سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے لئے گئے ہیں۔

عورتیں دراصل عوام مسلمانوں کے ضمن میں آتی ہیں۔ جس طرح کہ جن اور ملائکہ بھی اس

بشارت کے مستحق و امیدوار ہونگے مگر حقیقت یہ ہے کہ نعمت رؤیت باری تعالیٰ مخصوص لوگوں کے لئے وقف ہے جن و ملائکہ کے لئے یہ نعمت عام نہیں ہے۔ ہاں اس سلسلہ میں ہمارے پاس اگر کوئی قوی دلیل لائی جائے۔ تو ہم تسلیم کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ اس بشارت سے عورتوں کا اخراج مطلوب و مقصود نہیں ہے۔ یہ کبھی باور نہیں کیا جا سکتا۔ کہ حضرت فاطمۃ زہراء حضرت خدیجۃ الکبریٰ۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور اہل بیت کی دوسری عورتیں (رضی اللہ عنہن) حضرت مریم و آسیہ جو دنیا کی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور عرفان و کمال میں کئی مردوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔ رویت الٰہی سے محروم رہیں یا عام مردوں سے اس نعمت عظمیٰ کے حصول میں پیچھے رہ جائیں۔ بلکہ انہیں عام مومنات سے مخصوص اور مستثنیٰ رکھا جائے گا۔ جن کے لئے احادیث میں عیدین اور جمعہ کا تعین کیا گیا ہے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو اس لئے دیدار نہیں ہوگا کہ وہ خیمے میں ہونگی محض غلط بات ہے۔ کیونکہ وہاں خیمے دنیا کے خیموں کی طرح حجاب و پردہ کا ذریعہ نہیں ہونگے۔

دیراہ المومنون اور انکم ستروں ربکم میں دو صیغے جمع مذکر کے ہیں۔ پہلے جملے کے یہ معنیٰ ہیں کہ مومن اللہ کریم کا دیدار پائیں گے اور دوسرے جملے کے معنیٰ یہ ہیں کہ بیشک عنقریب ہی تم اپنے رب کو دیکھ لوگے۔

اس کا جواب یہ ہے۔ یہ "تغلیباً" ہے۔ یعنی غلبہ مردوں کا بیان کیا گیا ہے۔ اور عورتیں بھی اس حکم میں آتی ہیں۔

سیوطیؒ نے یہ بھی کہا ہے۔ رؤیت کی یہ تخصیص و تفضیل بہشت میں داخل ہونے کے بعد ہیں۔ اور موقف میں کسی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ کافروں اور منافقوں کو بھی قیامت میں رؤیت باری تعالیٰ نصیب ہوگی مگر جلال و قہر کی حالت میں ہوگی اور اس کے بعد محجوب کر دیئے جائیں گے تاکہ حسرت و عذاب زیادہ ہو۔

—خواب میں دیدار الٰہی۔

اللہ کریم کو خواب میں دیکھنے کے متعلق بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ

خواب میں دیدار الٰہی صحیح اور حق ہے۔ اور سلف سے اس کے متعلق روایات ملتی ہیں۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے خداوند تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا اے پروردگار! سب عبادتوں میں افضل ترین عبادت کونسی ہے اور تیری بارگاہ میں پہنچنے کا نزدیک تر راستہ کونسا ہے فرمایا قرآن مجید کی تلاوت!

امام اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک سو بار خداوند عالم کو خواب میں دیکھا تھا۔ ابن سرین رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر تابعین اور خواب کے تعبیر بتانے والوں کے امام مانے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں "جو شخص خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ بہشت میں جگہ پائے گا اور رنج و غم سے نجات پائے گا۔"

یہ درحقیقت مشاہدہ قلبی ہے اور ظاہری آنکھ اسے دیکھنے سے قاصر ہے۔ اگر کوئی آنکھ سے دیکھے تو وہ دیکھنا مثالی ہے۔ حق تعالیٰ مثل نہیں مگر مثالی ہے۔ مثل اور مثال میں بہت فرق ہے۔ مثل وہ ہے جو تمام صفات میں مثل لہٗ کے مشابہ ہو مگر مثال میں مساوات شرط نہیں۔ عقل کو آفتاب سے تشبیہ دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ تمام صفات میں آفتاب کے مشابہ نہیں۔ حالانکہ آفتاب کی مثال عقل کو لاتے ہیں۔ مناسبت بس اتنی ہے۔ جس طرح آفتاب کے نور سے محسوس چیزیں منکشف ہوتی ہیں۔ عقل کے نور سے معقولات منکشف ہوتی ہیں۔ مثال ہونے کے واسطے اسی قدر مناسبت کافی ہے ایسے ہی بادشاہ کو آفتاب کی مثال۔ وزیر کو چاند کی مثال دیتے ہیں۔

اگر کوئی شخص آفتاب کو خواب میں دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ بادشاہ سے ملاقات کرے گا۔ اگر ماہتاب کو دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی ملاقات وزیر سے ہوگی قرآن نے اس مثال کو کس انداز میں بیان کیا ہے۔

مثل نورہٖ کمشکوٰۃٍ فیہا مصباح المصباح فی زجاجۃ	اللہ کے نور کی مثال اس نور کی سی ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشے کے فانوس میں روشنی دے رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی ذات مصباح و زجاجہ یا چراغ شیشہ اور فانوس کی تشبیہ سے پاک ہے۔ اسے زیتون کے درخت کی تشبیہ بھی زیب نہیں دیتی۔ ہاں اس کے نور کی مثال میں یوں ہے۔ جس طرح قرآن کو حبل متین سے مثال دی گئی ہے حقیقت میں ایک رسی قرآن کے متشابہ نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح عالم خواب بھی عالم مثال ہے۔ سرکار دو عالم کے دیکھنے اور مشرف بزیارت ہونے کی کیفیت بھی ایسی ہی ہے۔ اس کلام کی پوری تحقیق امام حجۃ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل سے معلوم ہوتی ہے۔

دنیاوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کو بیداری کی حالت میں سر کی آنکھوں سے دیکھنے کے سلسلے میں دو قول ہیں۔ استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے "رسالہ قشیریہ" میں فیصلہ دیا ہے کہ عدم جواز کا قول صحیح ہے۔ یہ گفتگو جواز اور امکان میں ہے! اور عدم وقوع میں سب کے نزدیک محقق ہو چکا ہے کہ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے (کہ شب معراج میں حسب روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے دیدار ہوا) اور کسی کو میسر نہیں۔

محدثین۔ فقہا متکلمین حتیٰ کہ مشائخ طریقت بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اولیاء اللہ میں سے کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ کتاب تعرف میں لکھا ہے کہ مشائخ میں سے کسی نے بھی رویت الٰہی کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور نہ کسی نے اس کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ مگر جاہل صوفیا کا ایک طبقہ جنہیں صوفیا کی صف میں کسی صورت بھی شمار نہیں کیا جا سکتا۔ رویت الٰہی کا دعویٰ کرتے پھرتے ہیں۔ مشائخ کا اجماع اسی بات پر ہے۔ کہ رویت کا مدعی کاذب اور جھوٹا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسا دعویٰ کرنا معرفت کے نہ حاصل ہونے کی علامت ہے۔ جس نے دعویٰ کیا ہے حقیقت میں وہ خدا کو نہیں پہچان سکا۔

شیخ علاؤالدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح تعرف میں لکھا ہے۔ کہ اگر رویت الٰہی کی نقل کسی معتبر سے پہنچے تو اس کی تاویل کر لینا چاہیئے۔ تفسیر کواشی میں مذکور ہے کہ سر کی آنکھ سے رویت کا معتقد مسلمان نہیں رہتا۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ اعتقاد درست ہے۔ اردبیلی نے کتاب انوار میں (جو شافعی فقہ کی اہم ترین

کتاب ہے) لکھا ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ دنیا میں اس نے سر کی آنکھوں سے خدا کو دیکھا ہے میں اس کے منہ پر اسے کافر کہنے کے لئے تیار ہوں۔ عقیدۂ منظومہ میں یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

وَمَنْ قَالَ فِی الدُّنْیَا یَرَاہُ بِعَیْنِہٖ ۔۔۔ فَذَالِکَ زِنْدِیْقٌ طَغٰی وَتَمَرَّدَا
وَخَالَفَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَالرُّسُلِ کُلِّھَا ۔۔۔ وَزَاغَ عَنِ الشَّرْعِ الشَّرِیْفِ وَاَبْعَدَا
وَذَالِکَ فَمَنْ قَالَ فِیْہِ اَدْنٰی ۔۔۔ یَرٰی وَجْھَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَسْوَدَا

خالقِ جمیع اشیاء۔

اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا خالق ہے۔ آسمان۔ زمین غرضیکہ آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو چیز بھی ہے۔ اسی کی بنائی ہوئی ہے اور اسی کی قدرت کے ماتحت کام کر رہی ہیں۔ وہ تمام کاموں کی تدابیر کرنے والا ہے۔ تدبیر سے مراد یہ ہے کہ تمام کاموں کے نتائج معلوم کرنے کے بعد اسی طرح ٹھیک کرنا کہ اس میں کسی قسم کا نقص پیدا نہ ہو۔ تمام اشیاء کو ازلی اندازے اور تقدیر سے ہی پیدا فرمایا۔ خیر و شر۔ نفع و ضرر حسن و قبح تمام قضا و قدر الٰہی سے ہیں۔

عالم جمیع معلومات۔

اللہ تعالےٰ تمام اشیاء کا مالک ہے، جز و کل تمام عالم کے ذرات میں سے ہر ایک ذرّہ اس کے علم میں ہے۔ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے، کوئی چیز اس پر واجب و لازم نہیں لطف و قہر نہ ثواب و عتاب۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، خدا پر کسی کی حکمرانی نہیں، عبادت گذار اس کے فضل سے ثواب پاتے ہیں، گناہگار اس کے عدل سے سزا حاصل کرتے ہیں۔ وہ ہر حالت میں اپنے قہر فضل۔ عدل اور کرم میں محمود ہے، کوئی شخص اس پر اپنا استحقاق اور لازمی حق نہیں جتا سکتا۔ اس نے خود فرمایا ہے کہ فرمانبرداروں کو ثواب دونگا۔ نافرمانوں کو عذاب کرونگا۔ ہر امر اسی کے حکم کے مطابق ہوتا ہے لیکن یہ بات اس پر واجب نہیں۔ اگر وہ اس قاعدے کے خلاف کرے تو کسی کی طاقت نہیں۔ کہ کہہ سکے کہ ایسا کیوں ہوا۔

اس کو اپنے کاموں میں کوئی غرض وابستہ نہیں ہوتی۔ ہر صاحبِ غرض تو اپنی غرض پوری کرنے کا محتاج ہوتا ہے۔ مگر اس کے ہر کام میں حکمتیں ہیں۔ اور انسان ان کی حکمت دریافت کرنے سے قاصر ہے۔ اس کی حکمتوں سے جو فائدے برآمد ہوتے ہیں۔ وہ سارے اس کی مخلوقات کے لئے ہیں۔ اسے ان فائدوں کا کوئی احتیاج نہیں خلقت کا موجود ہونا یا معدوم ہونا، ان کے نفع و نقصان اللہ کی نسبت یکساں ہیں۔ وہ اپنی ذاتی بخشش سے اور اپنے ارادہ سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ رعایت حکمت و مصلحت اس پر واجب و لازم نہیں ہے۔

حاکم بلا شرکت غیرے۔

اس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ صرف اسی کا حکم واجب ہے۔ نیکی و بدی پر ثواب عذاب اس کے حکم سے نافذ ہوتا ہے۔ اچھا کام وہ ہے جس کا اس نے حکم دیا ہو۔ بُرا وہ ہے جس سے اس نے روکا ہو۔ کام کا اچھا یا برا ہونا شارع کے حکم دینے یا منع کرنے پر منحصر ہے۔ یہاں عقل بے کار ہے کہ وہ کس کام کی اچھائی یا برائی کے متعلق فیصلے کرتی پھرے جن لوگوں کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی۔ پہاڑوں کی دشوار وادیوں یا سمندر کے دُور دراز جزیروں میں رہنے والے وہیں پیدا ہوئے اور وہیں مر گئے۔ نہ کسی آبادی والے سے ملے۔ وہ آخرت میں ماخوذ اور معذب نہیں ہونگے۔

بعض مشائخ کے نزدیک ایسے لوگ بھی ایمان نہ لانے اور اللہ کی توحید پر اعتقاد نہ کرنے کی وجہ سے ماخوذ ہونگے۔ کیونکہ اسقدر معلوم کر لینا کہ اس جہان کا پیدا کرنے والا کوئی ہے اور تمام صفات و کمالات سے موصوف ہے۔ شریعت پر ہی موقوف نہیں کائنات کے تغیرات و امکانات دیکھ کر عقل کے نزدیک بھی توحید صانع پر ایمان ضروری ہے۔

پہلے طبقے نے قرآن پاک کی آیت بطور دلیل پیش کی ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى	ہم کسی کو عذاب نہیں کریں گے
نَبْعَثَ رَسُوْلًا ط	جبتک اس کے پاس رسول نہ بھیج دیں۔

رسول اسلام کی دعوت دے اور وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں رسول کی مخالفت کریں۔ تو پھر قابلِ مواخذہ اور معذب ہونگے۔ اس آیت پر تاویلی طور پر یہ کہنا کہ رسول سے مراد عقل ہے محض بیہودہ اور لغو دلیل ہے۔

شیخ کمال الدین ابن ہمام نے (جو حنفیہ کے محققین میں سے ہیں) فریق اوّل کی تائید کی ہے اور ابو الیسر بزدوی بھی اسی خیال سے متفق ہیں۔ وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حسن و قبح کیا ہے؟

کام اچھا وہ ہے جسے شارع علیہ السلام نے اچھا کہا اور بُرا وہ ہے جس سے شارع علیہ السلام نے منع کیا۔ بذاتِ خود نہ کوئی کام اچھا ہے نہ بُرا۔ کیونکہ اچھے اور بُرے کے نتائج تو آخرت کے عذاب و ثواب پر مرتب ہوتے ہیں۔ اور یہ بات عقل کی رسائی سے باہر ہے۔ ہاں کسی کام کا پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہونا عقل کی حدود میں آسکتا ہے عدل کو اچھا جاننا۔ ظلم کو ناپسند کرنا۔ علم کو صفتِ کمال یا جہالت کو صفتِ نقصان خیال کرنا عقل کے اختیار میں ہے۔

ملائکہ

اس بات پر اعتقاد کرنا بڑا ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرشتے پیدا کئے ہیں۔ ان کے اجسام نورانی ہیں اور وہ ہر شکل اختیار کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی ارواح مجردہ ہیں۔ ان کا بدن ہی ان کے لئے لباس کا کام دیتا ہے۔ ان کے ہاں مذکر و مؤنث کا کا امتیاز نہیں توالد و تناسل کا سلسلہ ان کے ہاں نہیں پایا جاتا۔ آسمان و زمین بلکہ تمام اجزائے عالم پر فرشتے موکل ہیں۔ وہ اجزائے عالم پر مربی۔ مدبر اور نگہبان ہیں۔ ایک ایک آدمی پر کئی کئی فرشتے مقرر ہیں۔ بعض اعمال کے لکھنے بعض شیطان اور دوسرے موذیوں سے بچانے پر مقرر اور محافظ ہیں۔ تمام عالم علوی و سفلی میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں فرشتے معمور نہ ہوں۔ اور ان کی حکمرانی نہ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے، کہ تمام مخلوقات کے دس حصے تصور کئے جائیں تو ان کے نو حصے صرف فرشتے ہی ہیں۔

لہ فرشتوں کے پَر اور بازو بھی ہوتے ہیں۔ دو دو۔ تین تین چار چار۔ قرآن پاک نے فرشتوں کے بازوؤں

لہ حضور اقدس صلوات اللہ تعالٰے وسلامہ علیہ وعلٰی آلہٖ فرماتے ہیں :

خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ وَخُلِقَ الْجَآنُّ مِنْ نَّارٍ وَّخُلِقَ اٰدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ۔

ملائکہ (فرشتے) نور سے بنائے گئے۔ اور جن آگ کی لُو سے جس میں دُھواں ملا ہوا تھا۔ اور آدم اس چیز سے جو تمہیں بتائی گئی۔ یعنی سیاہ اور سپید و سُرخ مٹی سے۔

كَمَا عِنْدَ ابْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا رَوَاهُ اِمَامُ اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا۔

عبدالرزاق اپنے مصنّف میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُّوْرِهٖ (اِلٰى قَوْلِهٖ) فَلَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَمَ ذٰلِكَ النُّوْرَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ الْقَلَمَ وَمِنَ الثَّانِي اللَّوْحَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْعَرْشَ ثُمَّ قَسَمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ۔ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ حَمَلَةَ الْعَرْشِ وَمِنَ الثَّانِي الْكُرْسِيَّ وَمِنَ الثَّالِثِ بَاقِي الْمَلٰٓئِكَةِ ۔ الحديث ۔

اے جابر! بیشک اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نُور اپنے نُور سے بنایا۔ پھر جب عالم کو پیدا کرنا چاہا۔ اس نور کے چار حصّے کئے۔ پہلے سے قلم اور دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے ٹکڑے کے چار حصّے کئے پہلے سے ملائکہ حاملان عرش۔ دوسرے سے کرسی تیسرے سے باقی فرشتے پیدا کئے۔

علامہ فاسی مطالع المسرات میں زیر قول دلائل اَلْمُتَقَدِّمُ مِنْ نُّوْرِ ضِيَائِكَ نَاقِلُ :

قَدْ قَالَ الْاَشْعَرِيُّ اَنَّهٗ تَعَالٰى نُوْرٌ لَيْسَ كَالْاَنْوَارِ وَالرُّوْحُ النَّبَوِيَّةُ الْمُقَدَّسَةُ لَمْعَةٌ مِّنْ نُّوْرِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ شَرَرُ تِلْكَ الْاَنْوَارِ وَقَالَ

خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ لہٰذا اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ پروں کی صحیح تعداد

صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللهُ نُوْرِیْ وَمِنْ نُوْرِیْ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ۔

یعنی امام اشعری فرماتے ہیں۔ اللہ عزوجل نور ہے نہ مثل اور انوار کے۔ اور روح پاک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم اس کے نور کی ایک چمک ہے۔ اور فرشتے ان (حضور سرور کائنات) کے نور کے شرارے ہیں۔ حضور والا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تعالٰے نے میرا نور بنایا۔ اور میرے ہی نور سے ہر چیز پیدا کی۔

ابوالشیخ نے عکرمہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا:

خُلِقَتِ الْمَلٰئِكَةُ مِنْ نُوْرِ الْعِزَّةِ۔

فرشتے نور عزت سے بنائے گئے۔

یزید بن رومان سے راوی کہ انہیں خبر پہنچی۔

اِنَّ الْمَلٰئِكَةَ خُلِقَتْ مِنْ نُوْرِ اللهِ۔

کہ ملائکہ ربانی روح سے پیدا کئے گئے ہیں۔

غالباً اس احتمال کی شرح وہ ہے جو امیر المومنین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے مروی ہے۔ کہ روح ایک فرشتہ ہے۔ جس کے ستر ہزار سر ہیں۔ ہر سر میں ستر ہزار چہرے۔ ہر چہرے میں ستر ہزار دہن (منہ)۔ ہر دہن میں ستر ہزار زبانیں۔ ہر زبان میں ستر ہزار لغت۔

يسبح الله تعالٰى بتلك اللغات كلها يخلق من كل تسبيحة ملك يطير مع الملئكة الى يوم القيمة۔

وہ (فرشتہ) ان سب لغتوں سے اکہ ایک لاکھ اڑسٹھ ہزار سنکھ ساٹھ ہوئے جس کی کتابت یوں ہے۔ کہ ۱۶۸۰۷ الکھ کر دائیں ہاتھ کو بتیس صفر لگا دیجئے) اللہ عزوجل کی تسبیح کرتا ہے۔ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ قیامت تک ملک کے ساتھ پرواز کرے گا

ذَكَرَهُ الْاِمَامُ الْبَدْرُ مَحْمُوْدُا لْعَيْنِیْ فِیْ عُمْدَةِ الْقَارِیْ شَرْحِ صَحِيْحِ الْبُخَارِیْ مِنْ كِتَابِ التَّفْسِيْرِ وَالْاِمَامُ الرَّازِیْ فِیْ تَفْسِيْرِ الْكَبِيْرِ۔

کا علم اللہ کو ہے۔ اس سے یہ تاویل کی جاسکتی ہے۔ کہ بانوں سے مراد قوائے ملکی ہے جس طرح وہ سب احکام

ثعلبی نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ کہ وہ فرماتے ہیں کہ روح ایک ملک (فرشتہ) عظیم ہے۔ آسمان و زمین و جبال و ملائکہ سب سے۔ اور اس کا مقام آسمان چہارم میں ہے۔

يُسَبِّحُ كُلَّ يَوْمٍ اِثْنَىْ عَشَرَ تَسْبِيْحَةً يَخْلُقُ مِنْ كُلِّ تَسْبِيْحَةٍ مَلَكٌ۔

ہر روز بارہ ہزار تسبیحیں کرتا ہے۔ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ بنتا ہے یہ روح نامی فرشتہ روز قیامت تنہا ایک صف ہوگا۔ اور باقی سب فرشتوں کی ایک صف۔

ذَكَرَهُ الْاِمَامُ الْبَغْوِيُّ فِي الْمَعَالِمِ تَحْتَ قَوْلِهٖ تَعَالٰى يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰئِكَةُ صَفًّا۔ وَالْاِمَامُ الْعَيْنِيُّ فِي الْعُمْدَةِ تَحْتَ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ

مروی ہوا:

اِنَّ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا رِيْحٌ مِنْ مَاءٍ وَدُخَانٍ مَلٰئِكَةٌ خُلِقُوْا مِنْ مَاءٍ وَرِيْحٍ عَلَيْهِمْ مَلَكٌ يُقَالُ لَهُ الرَّعْدُ وَهُوَ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ بِالسَّحَابِ وَالْمَطَرِ۔

آسمان دنیا میں کہ پانی اور دھوئیں کا بنا ہے۔ ملائکہ ہیں۔ کہ آب و ہوا سے بنائے گئے ہیں۔ ان کا افسر ایک فرشتہ رعد نامی ہے۔ جو ابر و باراں پر موکل ہے۔

ذَكَرَهُ الْاِمَامُ الْقَسْطَلَانِيُّ فِي الْمَوَاهِبِ۔۔

سیدی شیخ اکبر محی الملۃ والدین ابن عربی قدس سرہ الشریف فرماتے ہیں۔ اللہ عزوجل نے ایک نور کی تجلی فرمائی۔ پھر تاریکی بنائی۔ ظلمت پر اس نور کا پرتو ڈالا۔ اس سے عرش ظاہر ہوا۔ پھر اس ملے ہوئے نور سے کہ ضیائے صبح کی مانند تھا جس میں تاریکی شب مخلوط ہوتی ہے۔ ان ملائکہ کو بنایا۔ جو گرد عرش ہیں۔ پھر کرسی پیدا کی۔ اور اس میں اسی کی طبیعت کی جنس سے ملائکہ پیدا کئے۔

ذَكَرَهُ فِي الْبَابِ الثَّالِثِ عَشَرَ مِنَ الْفُتُوْحَاتِ الْمَكِّيَّةِ۔ وَاَوْرَدَهُ الْاِمَامُ الشَّعْرَانِيُّ فِي الْيَوَاقِيْتِ وَالْجَوَاهِرِ۔

شیخ ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَنَهْرًا مَا يَدْخُلُهُ جِبْرِيْلُ دَخْلَةً فَيَخْرُجُ فَيَنْتَفِضُ اِلَّا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ كُلِّ قَطْرَةٍ تَقْطُرُ مِنْهُ مَلَكًا۔

متشابہات قرانی ہیں۔ عدد مذکورہ سے حصر مراد نہیں۔ کہ چار چار بازوں سے زیادہ فرشتوں کو نہیں ملے۔ حدیث

بیشک و شبہ جنت میں ایک نہر ہے۔ کہ جب جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں جا کر باہر آکر پر جھاڑتے ہیں۔ جتنی بوندیں ان کے پروں سے گرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر بوند سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ جبرائیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چھ سو پر ہیں۔ کہ اگر ایک پر پھیلادیں۔ تو افق آسمان چھپ جائے۔

ابن ابی حاتم و عقیلی و ابن مردویہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

فِی السَّمَاءِ الرَّابِعَۃِ نَھَرٌ یُقَالُ لَہُ الْحَیَوَانُ یَدْخُلُہٗ جِبْرِیْلُ کُلَّ یَوْمٍ فَیَنْغَمِسُ فِیْہِ انْغِمَاسَۃً ثُمَّ یَخْرُجُ فَیَنْتَفِضُ انْتِفَاضَۃً فَیَخْرُجُ عَنْہُ سَبْعُوْنَ اَلْفَ قَطْرَۃٍ یَخْلُقُ اللّٰہُ مِنْ کُلِّ قَطْرَۃٍ مَلَکًا ھُمُ الَّذِیْنَ یُؤْمَرُوْنَ اَنْ یَاْتُوا الْبَیْتَ الْمَعْمُوْرَ فَیُصَلُّوْا فَیَفْعَلُوْنَ ثُمَّ یَخْرُجُوْنَ فَلَا یَعُوْدُوْنَ اِلَیْہِ اَبَدًا وَیُوَلّٰی عَلَیْھِمْ اَحَدُھُمْ ثُمَّ یُؤْمَرُ اَنْ یَّقِفَ بِھِمْ فِی السَّمَاءِ مَوْقِفًا یُسَبِّحُوْنَ اللّٰہَ اِلٰی اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَۃُ۔

چوتھے آسمان میں ایک نہر ہے۔ جسے نہر حیات کہتے ہیں۔ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر روز اس میں ایک غوطہ لگا کر پر جھاڑتے ہیں جس سے ستر ہزار قطرے جھڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ انہیں حکم ہوتا ہے کہ بیت المعمور میں جا کر نماز (صلوٰۃ) پڑھیں۔ جب پڑھ کر نکلتے ہیں پھر کبھی اس میں نہیں جاتے۔ ان میں سے ایک کو ان پر افسر بنا کر حکم فرمایا جاتا ہے۔ کہ آسمان میں ان کو ایک جگہ لے کر کھڑا ہو۔ وہ سب مل کر قیامت تک وہاں تسبیح الٰہی کرتے ہیں:

وَرَوَی ابْنُ الْمُنْذِرِ نَحْوَہٗ بِدُوْنِ ذِکْرِ النَّھْرِ مِنْ طَرِیْقٍ صَحِیْحٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لٰکِنْ مَوْقُوْفًا قَالَہُ الْاِمَامُ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ وَمَعْلُوْمٌ اَنَّ الْمَوْقُوْفَ کَالْمَرْفُوْعِ اَقُوْلُ فَصَحَّ الْحَدِیْثُ وَسَقَطَ مَا نَقَلَ الْفَاسِیُّ عَنِ الْوَلِیِّ الْعِرَاقِیِّ اِنْ لَّمْ یَثْبُتْ فِیْ ذٰلِکَ شَیْءٌ فَقَدْ اَثْبَتَہُ الْحَافِظُ وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ۔

پاک میں ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کو جبرائیل کے چھ سو پر دیکھے۔

عطا و مقاتل وضحاک کی روایت میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں آیا:

اِنَّ عَنْ يَمِيْنِ الْعَرْشِ نَهْرًا مِنْ نُوْرٍ مِثْلَ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَالْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَالْبِحَارِ السَّبْعِ يَدْخُلُ فِيْهِ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُلَّ سَحَرٍ وَيَغْتَسِلُ فِيْهِ فَيَزْدَادُ نُوْرًا اِلٰى نُوْرِهٖ وَجَمَالًا اِلٰى جَمَالِهٖ ثُمَّ يَنْتَفِضُ فَيَخْلُقُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ كُلِّ نُقْطَةٍ تَقَعُ مِنْ رِيْشِهٖ كَذَا كَذَا اَلْفَ مَلَكٍ يَدْخُلُ مِنْهُمُ الْبَيْتَ السَّبْعُوْنَ اَلْفًا ثُمَّ لَا يَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ اِلٰى اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔

عرش کے دائیں طرف نور کی ایک نہر ہے۔ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں اور ساتوں سمندروں کے برابر۔ اس میں ہر سحر جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نہاتے ہیں جس سے اُن کے نور پر نور اور جمال پر جمال بڑھتا ہے۔ پھر وہ اپنے پروں کو جھاڑتے ہیں۔ جو چھینٹ گرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اتنے اتنے ہزار فرشتے بناتا ہے۔ جن میں سے ستر ہزار بیت المعمور جاتے ہیں۔ پھر قیامت تک اس میں داخل نہیں ہوتے۔ ذَكَرَهُ الْاِمَامُ فَخْرُ الدِّيْنِ الرَّازِيْ فِيْ تَفْسِيْرِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔

ابو نعیم خطیم وابن عساکر اور بیہقی کتاب العربیۃ میں بروایت علی بن ابی ارطاۃ۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ لِلّٰهِ الْمَلٰئِكَةَ تَرْعُدُ فَرَائِصُهُمْ مِنْ مَخَافَتِهٖ مَا مِنْهُمْ مِنْ مَلَكٍ يَقْطُرُ مِنْ عَيْنِهٖ دَمْعَةٌ اِلَّا وَقَعَتْ مَلَكًا قَائِمًا يُسَبِّحُ الْحَدِيْث۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں۔ کہ خوف الٰہی سے ان کا بند بند لرزتا ہے۔ ان میں سے جس فرشتے کی آنکھ سے جو آنسو ٹپکتا ہے۔ وہ گرتے گرتے فرشتہ ہوجاتا ہے۔ کہ کھڑا ہو کر رب العزت جل جلالہ کی تسبیح کرتا ہے۔

ابو الشیخ کعب احبار سے اس کے قریب راوی کہ:

لَا تَقْطُرُ عَيْنُ مَلَكٍ مِنْهُمْ اِلَّا كَانَتْ مَلَكًا يَطِيْرُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔

جبرائیل علیہ السلام - تمام فرشتوں میں چار فرشتے زیادہ مقرب قرار دیئے گئے ہیں۔ یہ چاروں ان فرشتوں سے جبر، کی آنکھ سے کوئی بوند ٹپکتی ہے۔ وہ ایک فرشتہ ہو کر خوف خدا سے اڑ جاتی ہے۔

ابن بشکوال حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔ حضور پر نور افضل صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہ و آلہٖ فرماتے ہیں۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ تَعْظِیْمًا لِحَقِّیْ خَلَقَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ ذٰلِکَ الْقَوْلِ مَلَکًا لَہٗ جَنَاحٌ بِالْمَشْرِقِ وَاٰخَرُ بِالْمَغْرِبِ یَقُوْلُ عَزَّوَجَلَّ لَہٗ صَلِّ عَلٰی عَبْدِیْ کَمَا صَلّٰی عَلٰی نَبِیِّیْ فَھُوَ یُصَلِّیْ عَلَیْہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔

جو مجھ پر میرے حق کی تعظیم کے لئے درود بھیجے۔ اللہ تعالیٰ اس درود سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ جس کا ایک پَر مشرق اور دوسرا مغرب میں۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے۔ کہ درود بھیج میرے بندے پر جیسے اس نے درود بھیجا میرے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر۔ پس وہ فرشتہ قیامت تک اس پر درود بھیجتا رہتا ہے۔

وذکر ایضا ابناء سبع والفاکھانی۔

خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد اپنی کتاب مستطاب الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح میں امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ حضور پُر نور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے۔ کہ اس کا ایک بازو مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں۔ جب کوئی شخص مجھ پر محبت کے ساتھ درود بھیجتا ہے۔ تو وہ فرشتہ پانی میں غوطہ کھا کر اپنے پَر جھاڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر قطرہ سے کہ اس کے پروں سے ٹپکتا ہے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ کہ قیامت تک درود پڑھنے والے کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

اِنْتَھٰی کَلَامُہُ الشَّرِیْفُ قُدِّسَ سِرُّہُ اللَّطِیْفُ۔

مواہب شریف میں ہے۔

قد رُوِیَ اَنَّ ثَمَّ مَلٰٓئِکَۃً یُسَبِّحُوْنَ فَیَخْلُقُ اللّٰہُ بِکُلِّ تَسْبِیْحَۃٍ مَلَکًا۔

مروی ہوا۔ کہ وہاں کچھ فرشتے ہیں۔ کہ تسبیح الٰہی کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل ان کی ہر تسبیح سے ایک

دنیا کے بڑے بڑے انتظامات پر مامور ہیں۔ ملک اور ملکوت کے اہم معاملات انہیں کے سپرد ہیں۔ ۱۱

فرشتہ پیدا کرتا ہے۔

سیدی شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات کے باب ۲۹ میں فرماتے ہیں۔ کہ نیک کلام اور اچھا کام فرشتہ بن کر آسمان کو بلند ہوتا ہے۔

ذَكَرَهُ عَنْهُ فِي الْمَبْحَثِ السَّابِعِ عَشَرَ مِنَ الْيَوَاقِيتِ۔

ان کے نزدیک آیۂ کریمہ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ کے یہ معنی ہیں۔

امام قرطبی تذکرہ میں علمائے کرام سے ناقل کہ جو شخص سورۂ بقرہ وآل عمران پڑھتا ہے۔ اللہ عزوجل اس کے ثواب سے فرشتے بناتا ہے۔ کہ روز قیامت اس قاری کی طرف سے جھگڑیں گے۔

نَقَلَهُ عَنِ الْفَاسِي فِي مَطَالِعِ الْمَسَرَّاتِ۔ ان کے نزدیک حدیث احمد ومسلم اِقْرَءُوا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ فَاِنَّهُمَا يَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ غَيَايَتَانِ اَوْ كَاَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنَ الطَّيْرِ صَوَافَّ يُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِهِمَا کے یہ معنی ہیں۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ الربانی میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں اَقْوَى الْمَلٰئِكَةِ وَاَشَدُّهُمْ حَيَاءً مَنْ كَانَ مَخْلُوْقًا مِنْ اَنْفَاسِ النِّسَاءِ۔

یعنی آدمیوں کے سانس سے فرشتے بنتے ہیں۔ اور ان میں قوی تر اور حیا میں زائد وہ ہوتے ہیں جو عورتوں کے سانس سے بنائے جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث واقوال جن میں آفرینش (پیدائش) ملائکہ کے متعدد طریقے مذکور ہوئے۔ ان سے ثابت ہوا۔ کہ ان کی پیدائش روزانہ جاری ہے۔ ہر روز بے شمار بنتے ہیں۔ جن کی گنتی ان کا بنانے والا ہی جانتا ہے۔

قُلْتُ اَغْرَبَ الْقُلْنَاوِي فِي زَعْمِهِ اَنَّ مَلٰئِكَةَ الْاَرْضِ وَالْجِنِّ مُرَكَّبَةٌ مِنَ الطَّبَائِعِ الْاَرْبَعِ وَاَشَارَ اَنَّ لَهُمْ فِي اَجْسَامِهِمْ دَمًا مَسْفُوْحًا قَالَ فِي الْيَوَاقِيتِ قَالَ بَعْضُهُمْ وَلَعَلَّ مُرَادَهُ بِهٰؤُلَاءِ الْمَلٰئِكَةِ الْقَاطِنِيْنَ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ نَوْعٌ مِنَ الْجِنِّ سَمَّاهُمْ مَلٰئِكَةً اِصْطِلَاحًا لَهُ اِه۔ قُلْتُ وَمِثْلُهُ عَزْوًا عَنِ ابْنِ

میں جبرائیل علیہ السلام کے ذمہ علوم ربانی کا القاء اور وحی الٰہی کا انبیاء کی طرف ترسیل ہے ۔

عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ ضَرْبًا یَتَوَالَدُوْنَ یُقَالُ لَہُمُ الْجِنُّ وَمِنْہُمْ اِبْلِیْسُ کَمَا نَقَلَہٗ فِیْ اِرْشَادِ السَّارِیْ وَاَنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ عَقِیْدَۃَ اَہْلِ السُّنَّۃِ فِی الْمَلٰٓئِکَۃِ تَنْزِیْہُہُمْ عَنِ الذُّکُوْرَۃِ وَالْاُنُوْثَۃِ فَاِنْ ثَبَتَ الْاَثَرُ فَمَحَامِلُہٗ ھُوَ مَا مَرَّ مِنْ تَسْمِیَۃِ بَعْضِ الْجِنِّ مَلَکًا وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

رہا ان کی موت کا حال۔ امام ولی الدین عراقی سے استفسار کیا میں اسی باب میں سوال ہوا جواب فرمایا:

لَمْ یَثْبُتْ فِیْ ذٰلِکَ شَیْءٌ وَلَا یَجُوْزُ الْھُجُوْمُ عَلَیْہِ بِمُجَرَّدِ الْاِحْتِمَالِ وَلَا مَجَالَ لِلنَّظَرِ فِیْہِ وَلَا دَخْلَ لِلْقِیَاسِ۔

اس باب میں کچھ ثابت نہ ہوا۔ اور محض احتمال سے اس پر جرأت روا نہیں۔ نہ نظر کی یہاں گنجائش نہ قیاس کا دخل۔

نَقَلَہُ الْعَلَّامَۃُ الْفَاسِیُّ فِیْ مَطَالِعِ الْمَسَرَّاتِ۔

بلکہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ تو انہیں مثل ارواح مانتے ہیں۔ کہ نہ تھے۔ مگر جب ہوئے تو ہمیشہ رہیں گے۔ کہ ارواح کو کبھی موت نہیں۔ فتوحات شریف کے باب ۵۱۰ میں فرمایا:

اِنَّہٗ لَیْسَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اٰخِرَۃٌ ھُوَ ذٰلِکَ اَنَّہُمْ لَا یَمُوْتُوْنَ فَیُبْعَثُوْنَ وَاِنَّمَا ھُوَ صَعْقٌ وَاِفَاقَۃٌ کَالنَّوْمِ وَالْاِفَاقَۃِ مِنْہُ عِنْدَنَا فَذٰلِکَ حَالٌ لَا یَزَالُ عَلَیْہِ الْمَلَکُ فِی التَّجَلِّی الْاِجْمَالِیْ دُنْیَا وَاٰخِرَۃً الخ۔ نَقَلَہٗ فِی الْیَوَاقِیْتِ وَالْجَوَاھِرِ۔

اقول شائد یہ مسئلہ تجسم و تجرد ملائکہ پر مبنی ہو۔ جو انہیں نفوس مجردہ مانتے ہیں۔ جیسے امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہ ان کے طور پر ملائکہ کے لئے موت نہ ہونی چاہئے۔ کہ روح کبھی نہیں مرتی۔ موت جسم کے لئے ہے۔ یعنی روح کا اس سے جدا ہو جانا۔ اور ملائکہ کو اجسام لطیفہ کہتے ہیں جن سے نفوس شریفہ متعلق ہیں۔ جیسا جمہور اہل سنت کا مسلک ہے۔ اور صدہا طور پر نصوص اسی طرف ناظر ان کے نزدیک ملائکہ کو موت سے چارہ نہیں۔ اور یہی ظاہر مفاد آیت و احادیث تو اس میں بالتصریح وارد ہیں صحیح و معتمد ہے۔

میکائیل علیہ السلام۔ میکائیل علیہ السلام کے ذمہ تمام مخلوقات کو رزق کی بہم رسانی ہے۔

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔

ہر جان موت کا مزہ چکھے گی۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی۔ جب آیۂ کریمہ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

نازل ہوئی۔ کہ جتنے زمین پر ہیں۔ سب فنا ہونے والے ہیں۔ ملائکہ بولے زمین والے مرے۔

یعنی ہم محفوظ ہیں۔ جب آیۂ کریمہ :

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط

نازل ہوئی۔ کہ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ ملائکہ نے کہا۔ اب ہم بھی مرے۔

ذَكَرَهُ الْإِمَامُ الرَّازِيُّ فِيْ مَفَاتِيْحِ الْغَيْبِ۔

ابن جریر انہیں سے راوی۔

قَالَ وُكِّلَ مَلَكُ الْمَوْتِ بِقَبْضِ اَرْوَاحِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰئِكَةِ۔ الحدیث

(یعنی ملک الموت مسلمانوں اور فرشتوں کی روح قبض کرنے پر مقرر ہیں)۔

نیز ابن جریر ابوالشیخ وغیرہما ایک حدیث طویل میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے راوی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

اٰخِرُهُمْ مَوْتًا مَلَكُ الْمَوْتِ۔

فرشتوں میں سب سے پیچھے ملک الموت مریں گے۔ بیہقی و فریابی نے بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالے عنہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں تفصیلاً ان کی کیفیت موت روایت کی ہے۔ کہ جب سب فنا ہوں گے۔ جبرائیل و میکائیل و ملک الموت باقی رہیں گے۔ رب تبارک وتعالے کہ دانا تر ہے۔ ارشاد فرمائے گا۔ اے ملک الموت! اب کون باقی ہے؟ عرض کریں گے۔

بَقِيَ وَجْهُكَ الْبَاقِي الدَّائِمُ وَعَبْدُكَ جِبْرِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَمَلَكُ الْمَوْتِ۔

باقی ہے تیرا وجہ کریم کہ ہمیشہ رہے گا۔ اور تیرے بندے جبرائیل و میکائیل و ملک الموت۔ حکم ہوگا۔

رزق کی تقسیم و مقدار انہی کے سپرد ہے ۔

تعرف نفس میکائیل ۔

میکائیل کی روح قبض کر۔ وہ عظیم پہاڑ کی طرح گریں گے ۔ پھر فرمائے گا۔ اور وہ خوب جانتا ہے ۔ اب کون باقی ہے؟ عرض کریں گے :

وَجْهُكَ الْبَاقِي الْكَرِيمُ عَبْدُكَ جِبْرَائِيلُ وَمَلَكُ الْمَوْتِ ۔

تیرا وجہ کریم کہ ہمیشہ رہے گا ۔ اور تیرے بندے جبرائیل و ملک الموت ۔ فرمائے گا :

تعرف نفس جبرائیل ۔

جبرائیل کی روح قبض کر ۔ وہ اپنے پر پھڑپھڑاتے ہوئے سجدے میں گر جائیں گے ۔ پھر فرمائے گا ۔ اور وہ خوب جانتا ہے ۔ اب کون رہا؟ عرض کریں گے ۔

وَجْهُكَ الْكَرِيمُ وَعَبْدُكَ الْمَلَكُ الْمَوْتِ وَهُوَ مَيِّتٌ

تیرا وجہ کریم کہ ہمیشہ رہے گا ۔ اور تیرا بندہ ملک الموت کہ وہ بھی مرے گا ۔ فرمائے گا : مُتْ ۔ مرجا ۔ وہ بھی مر جائیں گے ۔ یہ فرمائے گا ۔ ابتداء میں ۔ میں نے خلق بنائی ۔ اور میں پھر اسے زندہ کروں گا ۔ کہاں ہیں سلاطین مغرور جو ملک کا دعوے کرتے تھے ۔ کوئی جواب دینے والا نہ ہو گا ۔ خود فرمائے گا ۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۔

آج بادشاہی ہے ۔ اللہ غالب کی ۔

ملفق منهما وعند الفريابي ان آخرهم موتا جبرائيل والله تعالى اعلم ۔

اس حدیث سے ملائکہ مقربین کا روز قیامت تک زندہ رہنا معلوم ہی ہوا ۔ اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے گذرا کہ یہ بیشمار فرشتے جو روزانہ بنتے ہیں قیامت تک فلک کے ساتھ الٹے پھریں گے ۔ اور حدیث میں گذرا ۔ کہ یہ ستر ہزار فرشتے جو روز بنتے ہیں ۔ قیامت تک تسبیح الٰہی کرتے رہیں گے ۔ وہ فرشتہ قیامت تک مصلّی (درود خواں) پر درود بھیجتا رہتا ہے ۔ روایت سخاوی میں گذرا ۔ اس کے پر کے قطروں سے جو فرشتے بنتے ہیں ۔ قیامت تک مصلّی (درود خواں) کے لئے استغفار کریں گے ۔ ہر مسلمان کے ساتھ جو کراماً کاتبین ہیں ان کے لئے حدیث شریف میں آیا ۔ مرگ مسلمان کے بعد آسمان پر جاتے اور وہاں رہنے کا اذن

اسرافیل علیہ السلام - اسرافیل علیہ السلام کے ذمہ صور کا پھونکنا ہے۔ یہ صور پہلی بار عالم کی

طلب کرتے ہیں۔ حکم ہوتا ہے۔ میرے آسمان میرے فرشتوں سے بھرے ہیں۔ کہ وہ میری تسبیح کرتے ہیں۔ پھر عرض کرتے ہیں۔ تو ہمیں حکم ہو۔ کہ زمین میں رہیں۔ فرمان ہوتا ہے۔ میری زمین مخلوق سے بھری ہے۔ کہ میری تسبیح کرتے ہیں:

وَلٰكِنْ قُوْمَا عَلٰى قَبْرِ عَبْدِیْ فَسَبِّحَانِیْ وَهَلِّلَانِیْ وَكَبِّرَانِیْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَاكْتُبَاهُ لِعَبْدِیْ۔

مگر میرے بندے کی قبر پر کھڑے قیامت تک تسبیح وتہلیل وتکبیر کرو۔ اور اس کا ثواب میرے بندے کے لئے لکھتے رہو۔

اَخْرَجَهٗ اَبُوْنُعَیْمٍ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الْبَعْثِ وَابْنُ اَبِی الدُّنْیَا عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا۔

اسی طرح اور احادیث بھی ہیں۔ ان حدیثوں سے بے شمار ملائکہ کا قیامت تک زندہ رہنا ثابت اور اصلاً کسی حدیث سے یہ ثابت نہ ہوا۔ کہ کسی فرشتہ کو موت لاحق ہوئی ہو۔ بلکہ روایت مذکورہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صاف ظاہر کہ نزول آیہ کریمہ:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

تک فرشتے اپنی موت سے خبردار ہی نہ تھے کہ ہمیں بھی موت ہوگی۔ لہٰذا ظاہر یہی ہے۔ کہ ملائکہ کے لئے قیامت سے پہلے موت نہیں۔ بلکہ جویبر نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔ کہ انسان وجن وحیوانات کی موت بیان کرکے فرمایا:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَمُوْتُوْنَ فِی الصَّعْقَةِ الْاُوْلٰى وَاِنَّ مَلَكَ الْمَوْتِ یَقْبِضُ اَرْوَاحَهُمْ ثُمَّ یَمُوْتُ۔

فرشتے اس وقت مریں گے۔ جب پہلا صور پھونکا جائے گا۔ ملک الموت ان کی روح قبض کریں گے۔ پھر وہ خود بھی مرجائیں گے۔ یہ حدیث مقصود میں نص تھی۔

لولا ما فی جویبر من ضعف قوی ولا جویبر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعد ختم اس تحریر کے فتاوے حدیثیہ امام علامہ ابن حجر مکی قدس سرہٗ الملکی میں ایک

ہلاکت کے لئے پھونکا جائے گا۔ دوسری بار اس کے پھونکنے سے مردے قبروں سے اٹھیں گے۔ اور

فتوے متعلق بملائکہ دوسرا متعلق بحور عین نظر فقیر سے گذرا۔ امام نے اس میں موت ملائکہ پر اجماع نقل فرمایا:

حَیْثُ قَالَ اَمَّا الْمَلٰئِکَۃُ فَیَمُوْتُوْنَ بِالنُّصُوْصِ وَالْاِجْمَاعِ وَیَتَوَلّٰی قَبْضَ اَرْوَاحِھِمْ مَلَکُ الْمَوْتِ وَیَمُوْتُ مَلَکُ الْمَوْتِ بِلَا مَلَکِ الْمَوْتِ۔

اور ان کے کلام کا بھی ظاہر یہی ہے کہ موت ملائکہ نفخ صور سے ہوگی۔ سوا حاملان عرش و چار مقرب (فرشتوں) کے۔ کہ یہ اسکے بعد وفات پائیں گے۔

حَیْثُ قَالَ فِی الْفَتْوٰی الْمُتَعَلِّقَۃِ بِالْمَلٰئِکَۃِ بِالنَّفْخِ فِی الصُّوْرِ یَمُوْتُوْنَ اِلَّا حَمَلَۃَ الْعَرْشِ وَجِبْرِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ وَمَلَکَ الْمَوْتِ ثُمَّ یَمُوْتُوْنَ اٰخِرَ ذٰلِکَ۔

اور دربارۂ آفرینش بھی اسی کا استظہار فرمایا کہ ملائکہ ایک ہی دفعہ نہ بنے۔ بلکہ ان کی پیدائش بدفعات ہے۔

حَیْثُ قَالَ ظَاہِرُ السُّنَّۃِ اَنَّ الْمَلٰئِکَۃَ لَمْ یُخْلَقُوْا دَفْعَۃً وَّاحِدَۃً۔

ابوالشیخ وہب بن منبہ سے راوی:

قَالَ لِلّٰہِ نَھْرًا فِی الْھَوَاءِ یَسَعُ الْاَرْضِیْنَ کُلَّھَا سَبْعَ مَرَّاتٍ فَیَنْزِلُ عَلٰی ذٰلِکَ النَّھْرِ مَلَکٌ مِّنَ السَّمَاءِ فَیَمْلَؤُہٗ وَیَسُدُّ مَابَیْنَ اَطْرَافِہٖ ثُمَّ یَغْتَسِلُ مِنْہُ فَاِذَا خَرَجَ مِنْہُ قَطَرَ مِنْہُ قَطَرَاتٌ مِّنْ نُّوْرٍ فَیَخْلُقُ اللّٰہُ مِنْ کُلِّ قَطْرَۃٍ مِّنْھَا مَلَکًا یُّسَبِّحُ لِلّٰہِ بِجَمِیْعِ تَسْبِیْحِ الْخَلَائِقِ کُلِّھِمْ۔

اللہ تعالیٰ و تبارک کی ایک نہر ہوا میں ہے۔ کہ سب زمینیں ملکر سات دفعہ اس میں سما جائیں۔ اس نہر پر آسمان سے ایک فرشتہ اترتا ہے۔ کہ اپنی جسامت سے اسے بھر دیتا ہے۔ اور اس کے سب کنارے بند کر دیتا ہے۔ پھر اس میں نہاتا ہے جب باہر آتا ہے۔ تو اس سے نور کی بوندیں ٹپکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر قطرے سے ایک فرشتہ بناتا ہے۔ کہ تمام مخلوقات کی تسبیح کے برابر

میدان حشر میں حاضر ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے۔

علاء بن ہارون سے راوی:

قَالَ لِجِبْرِيلَ كُلَّ يَوْمٍ اِنْغَمَسَ فِي الْكَوْثَرِ ثُمَّ يَنْتَفِضُ فَكُلُّ قَطْرَةٍ يَخْلُقُ مِنْهَا مَلَكٌ

جبرائیل آمین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر روز کوثر میں ایک ڈبکی لگا کر پر جھاڑتے ہیں۔ ہر بوند سے ایک فرشتہ بنتا ہے۔ اسکے بعد بحمد اللہ ایک اور حدیث یاد آئی۔

ابن ابی الدنیا اور ابو الشیخ کتاب الثواب میں امام جعفر صادق اور اپنے والد ماجد۔ وہ اپنے جد امجد رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے راوی۔ کہ حضور والا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَا اَدْخَلَ رَجُلٌ عَلٰى مُؤْمِنٍ سُرُوْرًا اِلَّا خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ ذٰلِكَ السُّرُوْرِ مَلَكًا يَعْبُدُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَيُوَحِّدُهٗ فَاِذَا صَارَ الْعَبْدُ فِيْ قَبْرِهٖ اَتَاهُ ذٰلِكَ السُّرُوْرُ۔ الحدیث۔

جو کوئی شخص کسی مسلمان کو خوش کرے۔ اللہ عزوجل اُس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ کہ اللہ عزوجل کی عبادت و توحید کرتا رہتا ہے۔ جب وہ بندہ قبر میں جاتا ہے۔ یہ فرشتہ اس کے پاس آکر کہتا ہے۔ کیا مجھے پہچانتا ہے۔ میں وہ خوشی ہوں جو تو نے فلاں مسلمان کے دل میں داخل کی تھی۔ آج میں وحشت میں تیرے دل کو بہلاؤں گا۔ اور تیری حجت تجھے سکھاؤں گا۔ اور قول ایمان پر تجھے ثابت کروں گا۔ اور قیامت کے ہر مشہد میں مَیں تیرے ساتھ رہوں گا۔ اور اللہ عزوجل کے نزدیک تیری شفاعت کروں گا۔ اور جنت میں تیرا مکان تجھے دکھاؤں گا۔ غرض بڑی عظمت والا ہے۔ بادشاہ عرش عظیم کا رب ملک و روح کریم کا سب خلق سے چن لینے والا محمد رسول اللہ رؤف و رحیم کا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وکرم واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

عبد المصطفیٰ احمد رضا خاں قادری۔ ۷، رجب المرجب ۱۳۱۱ھ

ماخوذ از "الهداية المباركة في خلق الملائكة"

— **عزرائیل علیہ السلام** - عزرائیل علیہ السلام تمام عالم کی ارواح قبض کرنے کے مختار و مجاز ہیں۔ اکثر علماء کرام کی رائے ہے۔ کہ جبرائیل علیہ السلام سب سے افضل ہیں۔ مگر بعض علماء ان چاروں کو ہم رتبہ قرار دیتے ہیں۔ ان چاروں کے علاوہ اور بھی بہت سے فرشتے مقرب اور عظیم الشان ہیں۔ ان میں آٹھ وہ فرشتے ہیں جنہوں نے عرش اٹھایا ہوا ہے۔ ان کی اجسام کی عظمت و قوت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں۔ کہ ان کی کان کی لو سے لے کر کندھوں تک کا درمیانی فاصلہ دو سو برس کی راہ ہے۔ ایک دوسری روایت میں یہ فاصلہ سات سو برس کے برابر ہے۔

— **فرشتوں کے مقامات۔**

ہر ایک فرشتے کے لئے خداوند تعالیٰ کے نزدیک ایک مخصوص رتبہ و مقام ہے۔ وہ اس سے تجاوز و ترقی نہیں کرتے۔ جو کمال ان کے مناسب حال پر انہیں عطا کر دیا گیا ہے۔ ان میں تحصیل کمال کے ذوق و شوق کا کوئی دخل نہیں۔ جو چیز ان کے حق میں تو ثادی گئی ہے۔ وہ بالفعل نہیں ہے۔ کیونکہ شوق تو اس پر ہوتا ہے۔ جو حاصل نہ ہو۔ اور مفقود ہو۔ مگر ملائکہ کے ہاں تو کوئی ایسی چیز نہیں جسے وہ حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ملائکہ عشق کی دولت سے محروم ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فرشتوں کے ہاں خداوند تعالیٰ کی محبت اور معرفت نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تحصیل معرفت اور تلاش محبت کی کشمکش کے ذوق سے محروم ہیں۔

— **اللہ کے اطاعت گذار۔**

فرشتے خدا کی نافرمانی نہیں کرتے۔ وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا گیا ہو۔ ابلیس کی نافرمانی کی وجہ یہ ہے کہ وہ حقیقت میں فرشتہ نہیں تھا۔ بلکہ خلقی طور پر جن تھا۔ وہ عبادت کی وجہ سے فرشتوں میں شمار کیا جانے لگا۔ انجام کار وہ اپنی فطرت سے نہ رہ سکا۔

بعض علماء کا خیال ہے۔ کہ فرشتے اور جن پیدائشی طور پر ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ کیونکہ آگ میں نور کی آمیزش بھی ہے۔ اور دھوئیں کی کثافت بھی۔ اگر آگ سے دھواں علیحدہ کر دیا جائے تو نور رہ جاتی ہے۔

— **الہامی کتابیں۔**

اللہ تعالیٰ کی کتابیں بعض رسولوں پر نازل ہوئیں۔ اور تمام انسانوں کو ان کی اتباع کا حکم

دیا گیا۔ ان الہامی کتابوں کی تعداد ایک سو چار تک ہے۔ مگر ان میں چار کتابیں بڑی اور مشہور ہیں۔ تورات آسمانی کتابوں میں سے ایک ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ تمام اسرائیلی اس کتاب کے تابع ہیں۔ زبور دوسری بڑی آسمانی کتاب ہے۔ جو حضرت داؤد پر نازل ہوئی۔ انجیل تیسری آسمانی کتاب ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

ان تمام کتابوں میں اللہ۔ اس کے رسول۔ آپ کے صحابہ کا ذکر۔ احوال اور اوصاف درج ہیں۔ سابقہ انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے پاکیزہ حالات۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب و محامد ان کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ پہلی اُمتیں آپ کے نام مبارک سے بارگاہِ الٰہی میں تقرب و توسّل تلاش کیا کرتی تھیں۔

— قرآن پاک۔

قرآن پاک چوتھی آسمانی کتاب ہے۔ جو تمام الہامی کتابوں کا خلاصہ ہے۔ یہ حضرت محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اعجاز نظم قرآن پاک کا خلاصہ ہے۔ جو دوسری کتب میں نہیں۔ (کوئی انسان قرآن کی تین آیات کے برابر نہیں بنا سکتا) تورات ضخامت میں اتنی بڑی ہے۔ کہ سوائے پیغمبروں کے اور کسی کو یاد نہیں۔ مگر قرآن پاک باوجود اختصار کے سب کتابوں سے اعظم و اکمل ہے۔

— متقین کی ہدایت۔

قرآن پاک بلاشک وشبہ باعث ہدایت ہے۔ تمام آسمانی کتابیں اس حیثیت سے کہ کلام خداوندی ہیں۔ برابر ہیں۔ مگر کئی اور وجوہات کی بناء پر ایک دوسری سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ جس طرح انبیاء کرام نفس نبوت میں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ اور لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کی صحیح تصویر ہیں۔ مگر مراتب میں بعض بعض سے افضل ہیں۔ اور تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ کا عکس جمیل ہیں۔

— اسمائے الٰہی۔

اللہ کے نام توقیفی ہیں۔ یعنی سننے پر موقوف ہیں۔ اور شریعت میں منقول ہیں۔ پس جو نام شرعی اصطلاح میں آگیا۔ اللہ اسی نام سے پکارا جائے گا۔ اپنی طرف سے اللہ کا نام بنانا۔ اور پکارنا خلاف شرع ہے۔ اگرچہ عقل کے نزدیک ایسے ناموں کا اطلاق کتنا ہی درست کیوں نہ ہو۔ اور [illegible]

معنی اللہ کے نام کے کتنے ہی مطابق کیوں نہ ہوں۔ مگر ان عقلی اور ادبی اسماء کی شریعت میں کوئی وقعت نہیں۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کو شافی کہہ سکتے ہیں۔ طبیب نہیں کہہ سکتے۔ جواد کہیں گے سخی نہیں۔ عالم کہیں گے عاقل نہیں کہیں گے۔ یاد رہے کہ ایسی ممانعت صرف نام رکھنے میں ہے۔ صفت بیان کرنے میں نہیں۔ کیونکہ نام کے بغیر کوئی دوسرا نام رکھنا تصرف ہے۔ اور کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ نام میں تصرف کرے۔ یہ بیان تو محض صفاتی ناموں میں ہے۔ مگر اسمائے اعلام میں کلام نہیں ہے۔

کفار کی زبان پر اللہ کے اسماء سے خدا کو پکارنا نامناسب بات ہے۔ اس میں کفر کا خطرہ رہتا ہے۔

ننانوے نام۔

ہمیں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیئے۔ کہ اسمائے الٰہی صرف ننانوے ناموں پر منحصر نہیں۔ ہزاروں ایسے نام ہیں۔ جن سے خلقت واقف نہیں۔ شریعت کی اصطلاحات میں بھی صرف ننانوے ناموں کا تذکرہ آیا ہے۔ ان ناموں کی شہرت ایک خاص خاصیت کی بناء پر ہے۔ جو ان میں رکھی گئی ہے حدیث پاک میں ہے۔

إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اَسْمَاءً مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

اللہ کے ننانوے نام ہیں جو ان کو یاد رکھے گا۔ جنت میں جائے گا۔

اس کی مثال یوں بھی ہے۔ کہ میرے ہزار سوار ایسے ہیں۔ جو شخص ان سے مدد چاہے۔ وہ مدد کو پہنچیں گے۔ اور جہاں جاتے ہیں فتحیاب ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی۔ کہ بادشاہ کے پاس ہزار سواروں کے علاوہ اور کوئی سوار نہیں۔ بلکہ بادشاہ کے بے شمار سوار ہیں۔ مگر ہزار اس قسم کے ہیں۔ جن کی خاص خاصیت ہے۔ اسی طرح اللہ کے ہزاروں ناموں کے باوجود یہ ننانوے نام اپنی خاصیت کے لحاظ سے جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے افعال کا بھی خالق ہے۔ کفر اور گناہ بھی اسی کے ارادہ اور تقدیر سے ہیں۔ مگر وہ کفر اور گناہ پر رضامند نہیں ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی۔ کہ اللہ تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اور گناہ و ثواب اسی کی پیدائش اور تقدیر ہے۔ افعال انسانی بھی دوسری اشیاء کی طرح مخلوق خداوندی ہیں۔ اور

حکم ہوتا ہے ۔

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ۔ غرضیکہ نیکی و بدی ، کفر اور ایمان ، طاعت وعصیان اللہ تعالیٰ کے ارادہ ۔ حکم اور تقدیر سے صادر ہوتے ہیں ۔ مگر اللہ تعالیٰ ایمان اطاعت اور نیکی سے تو راضی ہے ۔ مگر کفر و معصیت سے ناراض ہے ۔

وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ ۔

اللہ اپنے بندوں سے کفر کرنے پر راضی نہیں ہوتا ۔ کسی چیز کا چاہنا یا پیدا کرنا دوسری بات ہے ۔ مگر کسی بات پر راضی ہونا جدا بات ہے ۔ رضا اسی صورت میں ہوتی ہے ۔ کہ وہ حکم کرے کہ یوں کرو ۔ اگر ایسا بھی ہوتا ہے ۔ کسی حکمت کی وجہ سے حکم کرتا ہے ۔ لیکن اس کے واقع ہونیکو نہیں چاہتا ۔ اور اس کی حکمت اللہ کے بغیر کسی دوسرے کے علم میں نہیں ۔ اس کی مثال یوں سمجھئے ۔ کہ جیسے ایک مالک اپنے غلام کی نافرمانی اور گناہ کا اظہار کرنا چاہے ۔ غلام کو کسی کام کا حکم دے ۔ مگر یہ نہ چاہے کہ وہ یہ کام کرے ۔ تاکہ اس کا نافرمان ہونا سب پر واضح ہو جائے ۔ اس مقام پر امر و نہی کرنے میں حکمت اور فائدہ نہ ظاہر ہوا ۔ بندوں کی حقیقت جو ازلی علم میں پوشیدہ ہے ۔ وہ کھل جائے اور یہ معلوم ہو جائے ۔ کہ کون کون مطیع فرمانبردار ہے ۔ اور کون کون فاسق وغیر فرمانبردار ہے ۔

افعال اختیاری ۔

بندوں کے لئے بعض اختیاری افعال ہوتے ہیں جنہیں سرانجام دینے سے انہیں ثواب حاصل ہوتا ہے ۔ اور نہ کرنے سے عذاب ہوتا ہے ۔ باوجودیکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اختیار میں ہے ۔ مگر پھر بھی بندے کو مختار بنایا ہے ۔ وہ ہر کام میں مجبور محض اور مضطر نہیں ہے ۔ ثواب و عذاب اسی اختیار پر منحصر ہے ۔ جو انسان کو حاصل ہے ۔

اس مسئلہ کو تفصیلی طور پر سمجھنے کے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہے ۔ کہ جبر و اختیار کے معانی سمجھ لئے جائیں ۔ آدمی سے جو کام صادر ہوتے ہیں ۔ اس کی دو قسمیں ہیں ۔

پہلے وہ کام جن کا تصور آتے ہی اگر اس کی طبیعت کے موافق ہو ۔ تو اس کے دل میں اس کام کے سرانجام دینے کی خواہش پیدا ہو ۔ اور اس خواہش کی تکمیل کے لئے قدم اٹھائے ۔ لیکن اگر وہ

چیزاس کی طبیعت کے خلاف ہو۔ اور اس کے دل میں نفرت وکراہت پیدا ہو۔ اور اس کے نہ کرنے کی کوشش کرے۔ حالانکہ اس کے کرنے اور نہ کرنے کی خواہش کے پیدا ہونے سے پہلے اس کا کرنا اور نہ کرنا برابر تھا۔ اور ممکن تھا اُسے کرتا یا نہ کرتا۔ خواہ مرتبہ تصور میں جو فعل کے ساتھ قوت قریبہ ہے۔ یا تصور سے ہے۔ جو مرتبہ فعل سے دور تر ہے۔ آدمی کی اس حرکت کو حرکت اختیاری کہتے ہیں۔ اور جو فعل اس حرکت پر مترتب ہو فعل اختیاری ہے۔

دوسری صورت یہ ہے۔ کہ کام سے پہلے اس کی خواہش وشوق پیدا ہی نہ ہو۔ مگر خواہش کے بغیر ہی رعشہ والے کی طرح کوئی حرکت صادر ہو جائے۔ ایسی حرکت کو جبری یا اضطراری کہتے ہیں۔ بدیں حالات صورت اول کے سامنے اختیار سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اس قسم کے عقیدہ کا انکار ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص کہنے لگے۔ کہ انسان کے کان اور آنکھ نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ انسان کی تمام حرکات اور افعال دوسری قسم میں رعشہ کی طرح ہیں۔ یہ حس سے انکار کرتا ہے۔ جسے کوئی عاقل تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

یہ شبہ پیش آجاتا ہے۔ کہ انسان کے افعال علم الٰہی۔ ارادت ازلی۔ اور قضاء قدر کے موافق وجود میں آتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے ازل میں جانا اور چاہا کہ فلاں فعل فلاں انسان سے صادر ہو۔ ضرور وہ اس بندے سے ہوگا۔ خواہ بے اختیار ہو۔ جیسے حرکت اضطرار یا اختیار سے ہو۔ اگر فعل اختیاری ہے۔ پس انسان کو ایسا فعل کرنے یا وجود میں لانے کا اختیار نہیں۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کام خواہش اور تصور سے کیا جائے۔ وہ اختیار میں داخل ہوگا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے۔ کہ انسان کو اگرچہ فعل پر اختیار ہے۔ مگر اس کے مبادی میں یعنی جو موقوف علیہ ابتدائی اس کام کے ہیں۔ اختیار نہیں دیا۔ مثلاً اگر انسان کی آنکھیں کھلی ہوں۔ پھر نہ دیکھے۔ یہ اس کے اختیار میں نہیں۔ دیکھنے کے بعد اگر وہ شے مطلوب ہے۔ اس کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ شوق بڑھتا ہے۔ اس کام کی حرکت پیدا ہوتی ہے۔ لازمی ہے۔ اس طرح انسان کو اختیار ہے۔ اور اپنے اختیار میں اختیار نہیں رکھتا۔ آخر الامر وہی بات پائی جو علما کہتے ہیں۔

[1] بندہ اپنے فعل میں مختار ہے۔ مگر خود اختیار میں مجبور ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں۔

---

[1] اللہ عزوجل نے بندے بنائے۔ اور انہیں کان آنکھ ہاتھ پاؤں زبان وغیرہا آلات وجوارح

کہ ظاہر میں تو اختیار ہے۔ مگر باطن میں جبر۔ درحقیقت مسئلہ اختیار و قضاو قدر اتنا پیچیدہ ہے۔ کہ عقل

عطا فرمائے۔ اور انہیں کام میں لانے کا طریقہ الہام کیا۔ اور ان کے ارادے کا تابع و فرمانبر
کردیا۔ کہ اپنے منافع حاصل کریں۔ اور مضرتوں سے بچیں۔ پھر اعلیٰ درجہ کے شریف جوہر یعنی
عقل۔ سے ممتاز فرمایا جس نے تمام حیوانات پر انسان کا مرتبہ بڑھایا یا عقل کو ان امور کے ادراک
کی طاقت بخشی خیر و شر نفع و ضرر۔ جو اس ظاہری نہ پہچان سکتے تھے۔ پھر اُسے بھی فقط اپنی سمجھ
پر بے کس و بے یاور نہ چھوڑا۔ ہنوز لاکھوں باتیں ہیں۔ جن کو عقل خود ادراک نہ کرسکتی تھی۔
اور جن کا ادراک ممکن تھا۔ ان میں لغزش کرنے ٹھوکر کھانے سے پناہ کے لیے کوئی زبردست
دامن ہاتھ میں نہ رکھتی تھی۔ لہذا انبیاء بھیج کر کتابیں اتار کر ذرا ذرا بات کا حُسن و قبح خوب جتا
کر اپنی نعمت تمام و کمال فرمادی۔ کسی عذر کی جگہ باقی نہ چھوڑی۔

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ۔

حق کا تو راستہ آفتاب سے زیادہ واضح ہوگیا۔ ہدایت و گمراہی پر کوئی پردہ نہ رہا۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔

باایں ہمہ کسی کا خالق ہونا یعنی ذات ہو یا صفت فعل ہو یا حالت کسی معدوم چیز کو عدم سے نکال
کر لباس وجود پہنا دینا یہ اسی کا کام ہے یہ نہ اس نے کسی کے اختیار میں دیا نہ کوئی اس کا
اختیار پاسکتا ہے۔ کہ تمام مخلوقات خود اپنی حد ذات میں نیست ہیں۔ ایک نیست دوسرے
کو کیا ہست بنا سکے۔ ہست بنانا اسی کی شان ہے۔ جو آپ اپنی ذات سے ہست حقیقی
و ہست مطلق ہے۔ ہاں یہ اس نے اپنی رحمت اور اپنی غنائے مطلق سے عادات اجرا فرمائے
کہ بندہ جس امر کی طرف قصد کرے۔ اپنے جوارح ادھر پھیرے۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے ارادہ سے
اسے پیدا فرما دیتا ہے۔ مثلاً اس نے ہاتھ دئے ان میں پھیلنے، سمٹنے، اٹھنے جھکنے کی قوت
رکھی تلوار بنانی بتائی۔ اس میں دھار اور دھار میں کاٹ کی قوت رکھی۔ اس کا اٹھانا لگانا
وار کرنا بتایا۔

دوست دشمن کی پہچان کو عقل بخشی۔ اُسے نیک و بد میں تمیز کی طاقت عطا کی۔
شریعت بھیج کر قتل حق و ناحق کی بھلائی برائی صاف جتادی۔ زید نے وہی خدا کی بتائی

اس عقدہ کو حل کرنے سے قاصر ہے ۔ اور بجز عجز و سکوت کے کوئی چارہ کار نہیں ۔ بات وہی ہے جو

ہوئی تلوار خدا کے بنائے ہوئے ہاتھ خدا کی دی ہوئی قوت سے اٹھانے کا قصد کیا ۔ وہ خدا کے حکم سے اٹھ گئی ۔ اور جھکا کر ولید کے جسم پر ضرب پہنچانے کا ارادہ کیا ۔ وہ خدا کے حکم سے جھکی اور ولید کے جسم پر لگی تو یہ ضرب جن امور پر موقوف تھی ۔ سب عطاء حق تھے اور خود جو ضرب واقع ہوئی ۔ بارادہ خدا واقع ہوتی ۔ اور اب جو اس ضرب سے ولید کی گردن کٹ جانا پیدا ہوگا ۔ یہ بھی اللہ کے پیدا کرنے سے ہوگا ۔ وہ نہ چاہتا تو ایک زید کیا تمام انس و جن و ملک جمع ہو کر تلوار پر زور کرتے تو اٹھنا در کنار ہر گز جنبش نہ کھاتی ۔ اور اس کے حکم سے اٹھنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو زمین آسمان پہاڑ سب ایک لنگر بنا کر تلوار کے پیچھے پر ڈال دیئے جاتے نام کو بال برابر نہ جھکتی ۔ اور اس کے حکم سے جھکنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو محال تھا ۔ ولید کے جسم تک پہنچتی اور اس کے حکم سے جھکنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو محال تھا کہ ولید کے جسم تک پہنچتی اور اس کے حکم سے پہنچنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا ۔ گردن کٹنا تو بڑی چیز ہے ۔ ممکن نہ تھا کہ خط بھی آتا ۔ لڑائیوں میں ہزاروں بار تجربہ ہو چکا کہ تلواریں پڑیں اور خراش تک نہ آئی ۔ گولیاں لگیں اور جسم تک آتے آتے ٹھنڈی ہو گئیں ۔ شام کو معرکہ سے پلٹنے کے بعد سپاہیوں کے سر کے بالوں میں سے گولیاں نکلی ہیں ۔ تو زید سے جو کچھ واقع ہوا ۔ سب خلق خدا و بارادہ خدا تھا ۔ زید کا بیچ میں صرف اتنا کام رہا کہ اس نے قتل ولید کا ارادہ کیا ۔ اور اس طرف اپنے جوارح آلات کو پھیرا اب اگر ولید شرعاً مستحق قتل ہے ۔ تو زید پر کچھ الزام نہیں رہا ۔ بلکہ بارہا ثواب عظیم کا مستحق ہوگا کہ اس نے اس چیز کا قصد کیا ۔ اور اس طرف جوارح کو پھیرا ۔ جسے اللہ عزوجل نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے اپنی مرضی اپنا پسندیدہ کام ارشاد فرمایا تھا اور اگر قتل ناحق ہے ۔ تو یقیناً زید پر الزام ہے ۔ اور عذاب الیم کا مستحق ہوگا ۔ کہ بمخالفت حکم شرع اس شے کا عزم کیا اور اس طرف جوارح کو متوجہ کیا ۔ جسے مولیٰ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کے واسطے اپنے غضب اپنی ناراضی کا حکم بتایا تھا ۔ غرض فعل انصاف کے ارادہ سے نہیں ہو سکتا ۔ بلکہ انسان کے ارادہ پر اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے ۔ یہ نیکی کا ارادہ کرے ۔ اور اپنے جوارح کو پھیرے ۔ اللہ تعالیٰ اپنی

رحمت سے نیکی پیدا کر دے گا ۔ اور یہ بڑے کا ارادہ کرے ۔ اور جوارح کو اس طرف پھیرے ۔ اللہ تعالیٰ اپنی بے نیازی سے بدی کو موجود فرما دے گا ۔ دو پیالیوں میں شہد اور زہر ہیں ۔ یہ دونوں خود بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں ۔ شہد میں شفا اور زہر میں ہلاک کرنے کا اثر بھی اسی نے رکھا ہے ۔ روشن دماغ حکیموں کو بھیج کر بتا بھی دیا ہے کہ دیکھو یہ شہد ہے اس کے یہ منافع ہیں ۔ اور خبردار یہ زہر ہے ۔ اس کے پینے سے ہلاک ہو جاتا ہے ۔ ان ناصح اور خیر خواہ حکمائے کرام کی یہ مبارک آوازیں تمام جہان میں گونجیں اور ایک ایک شخص کے کان میں پہنچیں ۔ اس پر کچھ نے شہد کی پیالی اٹھا کر پی ۔ اور کچھ نے زہر کی ۔ ان اٹھانے والوں کے ہاتھ بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے تھے ۔ اور ان میں پیالی اٹھانے منہ تک لے جانے کی قوت بھی اسی کی رکھی ہوئی تھی ۔ منہ اور حلق میں کسی چیز کو جذب کر کے اندر پینے کی طاقت اور خود منہ اور حلق اور معدہ وغیرہ سب اسی کے مخلوق تھے ۔ اب شہد پینے والوں کے جوف میں شہد پہنچا ۔ کیا وہ آپ اس کا نفع پیدا کریں گے ۔ یا شہد بذات خود خالق نفع ہو جائے گا ۔ حاشا ہرگز نہیں بلکہ اس کا اثر پیدا ہونا یہ بھی اسی کی دست قدرت میں ہے ۔ اور ہو گا تو اسی کے ارادہ سے ہو گا ۔ وہ نہ چاہے تو منوں شہد پی جائے ۔ کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا ۔ بلکہ وہ چاہے تو شہد زہر کا اثر دے یونہی زہر والوں کے پیٹ میں زہر جا کر کیا وہ آپ ضرر کی تخلیق کر لیں گے ۔ یا زہر خود بخود خالق ضرر ہو جائے گا ۔ حاشا ہرگز نہیں بلکہ یہ بھی اسی کے قبضہ اقتدار میں ہے ۔ اور ہو گا تو اسی کے ارادہ سے ہو گا وہ نہ چاہے تو سیروں زہر کھا جائے اس کا بال بانکا نہ ہو گا ۔ بلکہ وہ چاہے تو زہر شہد ہو کر لگے ۔ باایں ہمہ شہد پینے والے ضرور قابل تحسین و آفرین ہیں ۔ ہر عاقل یہی کہے گا کہ انہوں نے اچھا کیا ۔ ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا ۔ اور زہر پینے والے ضرور لائق سزا و نفرین ہیں ۔ ہر ذی ہوش یہی کہے گا کہ یہ بدبخت خودکشی کے مجرم ہیں ۔ دیکھو اول سے آخر تک جو کچھ ہوا ۔ سب اللہ ہی کے ارادے سے ہوا ۔ اور جتنے آلات اس کام میں لیے گیے ۔ سب اللہ ہی کے مخلوق تھے ۔ اور اسی کے حکم سے انہوں نے کام دیئے جو تمام عقلا کے نزدیک ایک فریق کی تعریف ہے ۔

وہ مالک علی الاطلاق ہے ۔اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا ۔ انسان سے تو پوچھا جا سکتا ہے ۔ مگر اور دوسرے کی خدمت تمام کچہریاں جو عقل سے حصہ رکھتی ہوں ۔ ان زہر نوشوں کو مجرم بنائیں گی ۔ پھر کیوں بناتی ہیں ۔ نہ زہر ان کا پیدا کیا ہوا ۔ نہ زہر میں قوت ابلاک ان کی رکھی ہوئی ۔ نہ ہاتھ ان کا پیدا کیا ہوا ۔ نہ اس کے بڑھانے اٹھانے کی قوت ان کی رکھی ہوئی ۔ نہ دہن حلق ان کے پیدا کیے ہوئے ۔ نہ ان میں جذب وکشش کی قوت ان کی رکھی ہوئی ۔ نہ حلق سے اتر جانا ۔ ان کے ارادے سے ممکن تھا ۔ آدمی پانی پیتا ہے ۔ اور چاہتا ہے کہ حلق سے اترے مگر اچھو ہو کر نکل جاتا ہے ۔ اس کا چاہا نہیں چلتا جب تک وہی نہ چاہے ۔ جو صاحب سارے جہان کا ہے ۔ اب حلق سے اترنے کے بعد تو ظاہری نگاہوں میں بھی پینے والے کا اپنا کوئی کام نہیں ۔ خون میں اس کا ملنا اور خون کا اسے لے کر دورہ کرنا اور معدہ میں قلب تک پہنچنا اور وہاں جا کر اسے فاسد کر دینا یہ کوئی فعل نہ اس کے ارادہ سے ہے ۔ نہ اس کی طاقت سے بہترے زہر پی کر نادم ہوتے ہیں ۔ پھر ہزار کوشش کرتے ہیں ۔ جو ہوتی ہے ۔ ہو کر رہتی ہے ۔ اگر اس کے ارادہ سے مؤثر ہوتا تو اس ارادہ سے باز آتے ہی زہر باطل ہو جانا لازم تھا ۔ مگر نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ بے اثر ہے ۔ پھر اس سے کیوں باز پرس ہوتی ہے ۔ ہاں باز پرس کی وہی وجہ ہے کہ شہد اور زہر اسے بتا دیئے تھے ۔ عالی قدر حکمائے عظام کی معرفت سب نفع نقصان جتا دیئے تھے ۔ دست و دہان و حلق اس کے قابو میں کر دیئے تھے ۔ دیکھنے کو آنکھ ۔ سمجھنے کو عقل اسے دے دی تھی ۔ یہی ہاتھ جس سے اس نے زہر کی پیالی اٹھا کر جام شہد کی طرف بڑھاتا اللہ تعالیٰ اسی کا اٹھنا پیدا کر دیتا یہاں تک کہ سب کام اول تا آخر اسی کی خلق و مشیت سے واقع ہو کر اسے کے نفع کے موجب ہوتے ۔ مگر اس نے ایسا نہ کیا ۔ بلکہ کاسہ زہر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کے پینے کا عزم لایا ۔ وہ غنی بے نیاز دونوں جہان سے بے پرواہ ہے ۔ وہاں تو عادت جاری ہو رہی ہے ۔ کہ یہ قصد کرے اور وہ خلق فرما دے ۔ اس نے اسی کا اٹھنا اور حلق سے اترنا دل تک پہنچنا وغیرہ وغیرہ پیدا فرما دیا ۔ پھر یہ کیوں کر بے جرم قرار پا سکتا ہے ۔ انسان میں یہ قصد ارادہ و اختیار ہونا ایسا واضح و روشن و بدیہی امر ہے ۔ جس سے انکار نہیں کر سکتا مگر

مجنون ہر شخص سمجھتا ہے ۔ کہ مجھ میں اور پتھر میں ضرور فرق ہے ۔ ہر شخص جانتا ہے کہ انسان کے چلنے پھرنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے وغیرہ وغیرہ افعال کے حرکات ارادی میں ہر شخص آگاہ ہے کہ انسان کا کام کرنے کے لیے ہاتھ کو حرکت دینا اور وہ جنبش جو ہاتھ کو رعشہ سے ہو۔ ان میں صریح فرق ہے ۔ ہر شخص واقف ہے ۔ کہ جب وہ اوپر کی جانب جست کرتا ہے ۔ اور اس کی طاقت ختم ہونے پر زمین پر گرتا ہے ۔ ان دونوں حرکتوں میں تفرقہ ہے اوپر کودنا اپنے اختیار وارادے سے تھا ۔ اگر نہ چاہتا نہ کودتا اور یہ حرکت تمام ہو کر اب زمین پر آنا اپنے ارادے واختیار سے نہیں ۔ ولہذا اگر رکنا چاہے تو نہیں رک سکتا۔ بس یہی ارادہ یہی اختیار جو ہر شخص اپنے نفس میں دیکھ رہا ہے ۔ عقل کے ساتھ اس کا پایا جانا یہی مدار امر ونہی وجزا وسزا و ثواب وعقاب و پرسش وحساب ہے ۔ اگرچہ بلاشبہ بلاریب قطعاً یقیناً یہ ارادہ واختیار بھی اللہ عزوجل ہی کا پیدا کیا ہوا ہے ۔ جیسے انسان خود بھی اسی کا بنایا ہوا ہے ۔ آدمی جس طرح نہ آپ سے آپ بن سکتا تھا ۔ نہ اپنے لیے آنکھ کان ہاتھ پاؤں زبان وغیرہ بنا سکتا تھا ۔ یونہی اپنے لیے طاقت قوت ارادہ اختیار بھی نہیں بنا سکتا ۔ سب کچھ اس نے دیا ۔ اور اسی نے بنایا ۔ مگر اس سے یہ سمجھ لینا ۔ کہ ہمارا ارادہ واختیار بھی خدا ہی کا مخلوق ہے تو ہم پتھر ہو گئے ۔ قابل سزا وجزا و بازپرس نہ رہے ۔ کیسی سخت جہالت ہے ۔ صاحبو! تم میں خدا نے کیا پیدا کیا ارادہ واختیار ۔ تو ان کے پیدا ہونے سے تم صاحب ارادہ صاحب اختیار ہوئے یا مضطر مجبور ناچار صاحبو! تمہاری اور پتھر کی حرکت میں فرق کیا تھا یہ کہ وہ ارادہ واختیار نہیں رکھتا اور تم میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت پیدا کی ۔ عجب عجب کہ وہی صفت جس کے پیدا ہونے سے تمہاری حرکات کو پتھر کی حرکات سے ممتاز کر دیا ۔ اسی کی پیدائش کو اپنے پتھر ہو جانے کا سبب سمجھو ۔ یہ کیسی الٹی مت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری آنکھیں پیدا کیں ۔ ان میں نور خلق کیا ۔ اس سے ہم انکھیارے ہوئے نہ کہ معاذ اللہ اندھے یونہی اس نے ہم میں ارادہ واختیار پیدا کیا ۔ اس سے ہم اس کی عطا کے لائق مختار ہوئے نہ کہ الٹے مجبور ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب وقتاً فوقتاً ہر فرد اختیار بھی اسی کی خلق اسی

کی عطا ہے ۔ ہماری اپنی ذات سے نہیں تو مختار کردہ ہوئے ۔ خود مختار نہ ہوئے پھر اس میں کیا حرج ہے ۔ بندے کی شان ہی نہیں کہ خود مختار ہو سکے ۔ نہ جزا و سزا کے لیے خود مختار ہونا ہی ضرور ایک نوع اختیار چاہیئے ۔

کسی طرح ہو وہ بداہتۃً حاصل ہے ۔ آدمی انصاف سے کام لے تو اسی قدر تقریر و مثال کافی ہے ۔ شہد کی پیالی اطاعت الٰہی ہے اور زہر کا کاسہ اس کی نافرمانی اور وہ عالی شان حکما انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ہدایت اس شہد سے نفع پانا ہے ۔ کہ اللہ ہی کے ارادہ سے ہوگا ۔ اور ضلالت اس زہر کا ضرر پہنچنا کہ یہ بھی اسی کے ارادے سے ہوگا مگر طاعت والے تعریف کیے جائیں گے ۔ اور تمردوالے مذموم و ملزم ہو کر سزا پائیں گے ۔ پھر بھی جب تک ایمان باقی ہے یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ باقی ہے ۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ لَہُ الْحُکْمُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۔

قرآن عظیم میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ان اشخاص کو زیادہ ہدایت نہ کرو ہاں یہ ضرور فرمایا ہے ۔ کہ ہدایت ضلالت سب اس کے ارادہ سے ہے ۔ اس کا بیان بھی ہو چکا اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اور زیادہ واضح ہوگا نیز فرمایا ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْہِمْ ءَاَنْذَرْتَہُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْہُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۔

وہ جو علم الٰہی میں کافر ہیں ۔ انہیں ایک سا ہے چاہے تم ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہ لائیں گے ۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کے لیے رحمت بھیجے گئے ۔ جو کافر ایمان نہ لاتے ان کا نہایت غم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہوتا ۔ یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے فرمایا :

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِہِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِہٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۔

شاید تم ان کے پیچھے اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ۔ اس غم میں کہ وہ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے ۔ لہٰذا حضور کی تسکین خاطر اقدس کو یہ ارشاد ہوا ۔ کہ جو ہمارے علم میں کفر پر مرنے والے ہیں ۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ) وہ کسی طرح ایمان نہ لائیں گے ۔ تم اس کا غم نہ کرو ۔ لہٰذا یہ فرمایا کہ تمہارا

طریقت کا امام اور اہل حقیقت کا پیر مانا جاتا ہے۔ حضرت امام اس مسئلہ پر اپنی رائے کا ان الفاظ میں

سمجھانا نہ سمجھانا ان کو یکساں ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے حق میں یکساں ہے۔ کہ ہدایت معاذ اللہ امر فضول ٹھہرے۔ ہادی کا اجر اللہ پر ہے۔ چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ ۔ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اللہ خوب جانتا ہے۔ اور آج سے نہیں ازل الازال سے کہ اتنے بندے ہدایت پائیں گے۔ اور اتنے چاہ ضلالت میں ڈوبیں گے۔ مگر کبھی اپنے رسولوں کو ہدایت سے منع نہیں فرماتا کہ جو ہدایت پانے والے ہیں۔ ان کے لیے سبب ہدایت ہوں اور جو نہ پائیں گے۔ ان پر حجت الٰہیہ قائم ہو۔ وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔ مروی ہے۔ جب سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مولیٰ عزوجل نے رسول کرکے فرعون کی طرف بھیجا۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام چلے تو ندا ہوئی۔ مگر اے موسیٰ فرعون ایمان نہ لائے گا۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دل میں کہا پھر میرے جانے سے کیا فائدہ ہے۔ اس پر بارہ علمائے ملائکہ عظام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا۔ اے موسیٰ آپ کو جہاں کا حکم ہے جائیے۔ یہ وہ راز ہے کہ باوصف کوشش آجتک ہم پر بھی نہ کھلا۔ ابن جریر عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما بعث اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام الی فرعون نودی لن یفعل فلم قال فناداہ اثنا عشرہ ملکا من علماء الملئکۃ امض لما امرت بہ فانا جہدنا ان نعلم ہذا فلم نعلمہ اور آخر نفع بعثت سب نے دیکھ لیا کہ دشمنان خدا ہلاک ہوئے۔ دوستان خدا نے ان کی غلامی ان کے عذاب سے نجات پائی۔ ایک جلسے میں ستر ہزار ساحر سجدہ میں گر گئے۔ اور ایک زبان بولے:

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۔

ہم اس پر ایمان لائے۔ جو رب ہے سارے جہان کا رب ہے موسیٰ و ہارون کا۔ مولیٰ عزوجل قادر تھا۔ اور ہے کہ بے کسی نبی و کتاب کے تمام جہان کو ایک آن میں ہدایت فرمائے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۔

مگر اس نے دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے اور ہر نعمت میں اپنی حکمت بالغہ کے مطابق مختلف

اظہار فرماتے ہیں ۔

حصہ رکھا ہے ۔ وہ چاہتا تو انسان وغیرہ جانداروں کو بھوک ہی نہ لگتی ۔ یہ بھوکے ہوتے تو کسی کا صرف اس کے نام پاک لینے سے ۔ کسی کا ہوا سونگھنے سے پیٹ بھر جاتا ۔ زمین جوتنے سے روٹی پکانے تک جو سخت مشقتیں پڑتی ہیں کسی کو نہ ہوتیں ۔ مگر اس نے یونہی چاہا ۔ اور اس میں بھی بے شمار اختلاف رکھا ۔ کسی کو اتنا دیا کہ لاکھوں پیٹ اس کے در سے پلتے ہیں اور کسی پر اس کے اہل وعیال کے ساتھ تین تین فاقے گزرتے ہیں ۔ غرض ہر چیز میں :

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ ۔

کی نیرنگیاں ہیں ۔ احمق بدعقل یا اجہل بددین وہ جو اس کے ناموس میں چون وچرا کرے ۔ کریوں کیوں کیا ۔ یوں کیوں نہ کیا سنتا ہے اس کی شان ہے يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ ۔ اللہ جو چاہے حکم فرماتا ہے ۔ اس کی شان ہے : إِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۔
وہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں ۔ اور سب سے سوال ہوگا ۔ زید نے روپیہ کی ہزار اینٹیں خریدیں ۔ پانچ سو مسجد میں لگائیں ۔ پانسو پاخانہ کی زمین اور قدمچوں میں کیا ۔ اس سے کوئی الجھ سکتا ہے کہ ایک ہاتھ کی بنائی ہوئی ایک مٹی سے بنی ہوئی ایک آوے سے پکی ہوئی ایک روپیہ کی مول لی ہوئی ہزار اینٹیں تھیں ۔ ان پانسو میں کیا خوبی تھی ۔ کہ مسجد میں صرف کیں اور ان میں کیا عیب تھا کہ جائے نجاست میں رکھیں ۔ اگر کوئی احمق اس سے پوچھے بھی تو وہ یہی کہے گا کہ میری ملک تھی ۔ میں نے جو چاہا کیا ۔ جب مجازی جھوٹی ملک کا یہ حال ہے تو حقیقی سچی ملک کا کیا پوچھنا ۔ ہمارا اور ہماری جان ومال اور تمام جہان کا وہ ایک اکیلا پاک نرالا مالک ہے ۔ اس کے کام اس کے احکام میں کسی کو مجال دم زدن کیا معنی ۔ کیا کوئی اس کا ہمسر یا اس پر افسر ہے ۔ جو اس سے کیوں اور کیا کہے مالک علی الاطلاق ہے بے اشتراک ہے جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا ۔

ذلیل فقیر بے حیثیت حقیر اگر بادشاہ جبار سے الجھے تو اس کا سر کھجایا ہے ۔ شامت نے گھیرا ہے ۔ اس سے ہر عاقل یہی کہے گا کہ او بدعقل بے ادب اپنی حد پر رہ ۔ جب یقیناً معلوم ہے کہ بادشاہ کمال عادل اور جمیع کمال صفات میں یکتا وکامل ہے ۔ تو تجھے اس

لَا جَبْرَ وَلَا قَدَرَ وَلٰكِنْ اَمْرٌ بَيْنَ اَمْرَيْنِ - جبر و قدر کوئی چیز نہیں - بلکہ ان دونوں کے مابین ہی

کے احکام میں دخل دینے کی کیا مجال ہے

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

رموز مملکت خویش خسرواں دانند

افسوس کہ دنیوی مجازی جھوٹے بادشاہوں کی نسبت تو آدمی کو یہ خیال ہو۔ اور ملک الملوک بادشاہ حقیقی جل جلالہ کے احکام میں رائے زنی کرے۔ سلاطین تو سلاطین اپنا برابر بلکہ اپنے سے بھی کم رتبہ شخص بلکہ اپنا نوکر یا غلام جب کسی صفت کا استاد ماہر ہو اور خود یہ شخص اس سے آگاہ نہیں تو اس کے اکثر کاموں کو ہرگز نہ سمجھ سکے گا۔ کہ یہ اتنا ادراک ہی نہیں رکھتا۔ مگر عقل سے حصہ ہے تو اس پر معترض بھی نہ ہوگا۔ جان لے گا کہ یہ اس کام کا استاد و حکیم ہے۔ میرا خیال وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ غرض اپنی فہم کو قاصر جانے گا۔ نہ کہ اس کی حکمت کو پھر رب الارباب حکیم حقیقی عالم السر والخفی عز جلالہ کے اسرار میں خوض کرنا اور جو سمجھ میں نہ آئے۔ اس پر معترض ہونا اگر بیدینی نہیں جنون ہے۔ اگر جنون نہیں بے دینی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ - اے عزیز کسی بات کو حق جاننے کے لیے اس کی حقیقت جاننی لازم نہیں ہوتی۔ دنیا جانتی ہے۔ کہ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اور مقناطیسی قوت دیا ہوا لوہا ستارہ قطب کی طرف توجہ کرتا ہے۔ مگر اس کی حقیقت و کنہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس خاکی لوہے اور اس افلاکی ستارے میں کہ یہاں سے کروڑوں میل دور ہے باہم کیا الفت اور کیونکہ اسے اس کی جہت کا شعور ہے۔ اور ایک یہی نہیں عالم میں ہزاروں ایسے عجائب ہیں کہ بڑے بڑے فلاسفر خاک چھان کر مر گئے اور ان کی کنہ نہ پائی۔ پھر اس سے ان باتوں کا انکار نہیں ہو سکتا۔ آدمی اپنی جان ہی کو بتائے کہ کیا شئے ہے۔ جسے یہ (میں) کہتا ہے۔ اور کیا چیز جب نکل جاتی ہے تو یہ مٹی کا ڈھیر بے حس و حرکت رہ جاتا ہے۔ اللہ جل جلالہ فرقان حکیم میں فرماتا ہے :۔

وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ -

تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ رب سارے جہان کا اور فرماتا ہے : هَلْ مِنْ خَالِقٍ

اصل حقیقت ہے۔

غیر اللہ کیا اور بھی کسی چیز کا خالق ہے۔ سوا اللہ کے اور فرماتا ہے لہ الخیرۃ۔ اختیار خاص اسی کو ہے اور فرماتا ہے۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ سنتے ہو پیدا کرنا اور حکم دینا خاص اسی کے لیے ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ مالک سارے جہان کا۔ یہ آیات کریمہ صاف ارشاد فرما رہی ہیں۔ کہ پیدا کرنا عدم سے وجود میں لانا خاص اسی کا کام ہے۔ دوسرے کو اس میں اصلا شرکت نہیں۔ نیز اصل اختیار اسی کا ہے۔ نیز بے اس کی مشیت کے کسی کی مشیت نہیں ہو سکتی اور وہی مالک و مولیٰ جل جلالہ اسی قرآن پاک میں فرماتا ہے:

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝

یہ ہم نے ان کی سرکشی کا بدلہ انہیں دیا اور بے شک بالیقین ہم سچے ہیں۔ اور فرماتا ہے۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔

ہم نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ اور فرماتا ہے۔

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔

جو تمہارا جی چاہے کیے جاؤ۔ اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے اور فرماتا ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا۔

اے نبی تم فرما دو کہ حق تمہارے رب کے پاس ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ بے شک ہم نے ظالموں کے لیے وہ آگ تیار کر رکھی ہے۔ جس کے سرا پر دے انہیں گھیر لینگے۔ ہر طرف آگ ہی آگ ہو گی۔ اور فرماتا ہے۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ۝ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ۝ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

کافر کا ساتھی شیطان بولا۔ اے رب ہمارے میں نے اسے سرکش نہ کر دیا تھا۔ یہ آپ ہی

فرقہ جبریہ کا مسلک جبر پر ہے۔ اُن کے ہاں انسان کو کسی فعل کا اختیار نہیں۔ اس کی ساری

دور کی گمراہی میں تھا۔ رب جل علٰے نے فرمایا۔

میرے حضور فضول جھگڑا نہ کرو۔ میں تو تمہیں پہلے ہی سزا کا ڈر سنا چکا تھا۔ میرے یہاں بات بدلی نہیں جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کروں۔ یہ آئتیں صاف ارشاد فرما رہی ہیں کہ بندہ خود ہی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ وہ اپنی ہی کرنی بھرتا ہے۔ وہ ایک حرام کا اختیار و ارادہ ضرور رکھتا ہے۔ اب دونوں قسم کی سب آئتیں قطعاً مسلمان کا ایمان ہیں۔ بے شبہ بندہ کے افعال کا خالق بھی خدا ہی ہے۔ بیشک بندہ بے ارادہ الٰہیہ کچھ نہیں کر سکتا اور بیشک بندہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، اور بیشک وہ اپنی ہی بداعمالیوں کے سبب مستحق سزا ہے۔ یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں مگر یونہی کہ عقیدہ اہل سنت وجماعت پر ایمان

وہ جو اہل سنت کے سردار و مولیٰ امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے انہیں تعلیم فرمایا۔ ابونعیم حلیۃ الاولیا میں بطریق امام شافعی عن یحیی بن سلیم امام جعفر صادق سے وہ حضرت امام باقر وہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار وہ امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی۔

انه خطب الناس يوماً فذكر خطبة ثم قال، فقام اليه رجل فمن كان شهد معه الجمل فقال يا امير المؤمنين اخبرنا عن القدر فقال بحر عميق فلا تلجه قال يا امير المومنين اخبرنا عن القدر قال سر الله فلا تتكلفه قال يا امير المومنين اخبرنا عن القدر قال اما اذا ابيت فانه امر بين امرين لا جبر ولا تفويض قال يا امير المومنين ان فلانا يقول بالاستطاعة وهو حاضرك فقال علي به فاقاموه فلما رآه سل سيفه قدر اربع اصابع فقال الاستطاعة تملكها مع الله او من دون الله واياك ان تقول احدهما فترتد فاضرب عنقك قال فما اقول يا امير المؤمنين قال املكها بالله الذي ان شاء ملكنيها۔

حرکات جمادات کی طرح ہیں ۔ فرقہ قدریہ قدرت انسانی پر ایمان رکھتا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کلی طور

یعنی ایک دن امیر المومنین خطبہ فرما رہے تھے ۔ ایک شخص نے کہ واقعہ جمل میں امیر المومنین کے ساتھ تھے ۔ کھڑے ہو کر عرض کی یا امیر المومنین ہمیں مسئلہ تقدیر سے خبر دیجئے ۔ فرمایا گہرا دریا ہے ۔ اس میں قدم نہ رکھ ۔ عرض کی یا امیر المومنین ہمیں خبر دیجئے ۔ فرمایا اللہ کا راز ہے ۔ زبردستی اس کا بوجھ نہ اٹھا ۔ عرض کی یا امیر المومنین ہمیں خبر دیجئے ۔ فرمایا اگر نہیں مانتا تو ایک امر ہے دو امروں کے درمیان نہ آدمی مجبور محض ہے ۔ نہ اختیار سے سپرد ہے ۔ عرض کی یا امیر المومنین فلاں شخص کہتا ہے کہ آدمی اپنی قدرت سے کام کرتا ہے اور وہ حضور میں حاضر ہے ۔

مولیٰ علی نے فرمایا ۔ میرے سامنے لاؤ ۔ لوگوں نے اسے کھڑا کیا ۔ جب امیر المومنین نے دیکھا ۔ تیغ مبارک چار انگل کے قدر نکال لی اور فرمایا کام کی قدرت کا تو خدا کے ساتھ مالک ہے یا خدا سے جدا مالک ہے ۔ اور سنتا ہے ۔ خبردار ان دونوں میں سے کوئی بات نہ کہنا کہ کافر ہو جائے گا ۔ اور میں تیری گردن مار دوں گا ۔ اس نے کہا یا امیر المومنین پھر میں کیا کہوں ۔ فرمایا یوں کہہ اس خدا کے دیئے سے اختیار رکھتا ہوں ۔ اگر وہ چاہے تو مجھے اختیار دے ۔ بے اس کی مشیت کے مجھے کچھ اختیار نہیں ۔ بس یہی عقیدہ اہل سنت ہے کہ انسان پتھر کی طرح مجبور محض ہے ۔ نہ خود مختار بلکہ ان دونوں کے بیچ میں ایک حالت ہے ۔ جس کی کنہ راز خدا اور ایک نہایت عمیق دریا ہے ۔ اللہ عزوجل کی بے شمار رضائیں امیر المومنین مولےٰ علی پر نازل ہوں ۔ کہ ان دونوں الجھنوں کو دو فقروں میں صاف فرما دیا ۔ ایک صاحب نے اسی بارے میں سوال کیا کہ کیا معاصی بھی بے ارادۂ الٰہیہ واقع نہیں ہوتے تو کیا کوئی زبردستی اس کی معصیت کرے گا ۔ فرمایا فیصی قہرا یعنی وہ نہ چاہتا تھا کہ اس سے گناہ ہو مگر اس نے کر ہی لیا ۔ تو اس کا ارادہ زبردست پڑا ۔ معاذ اللہ خدا بھی دنیا کے مجازی بادشاہوں کیطرح ہوا کہ وہ ڈاکوؤں چوروں کا بہتیرا بندوبست کریں ۔ پھر بھی ڈاکو اور چور اپنا کام کر ہی گذرتے ہیں ۔ حاشا وہ ملک الملوک بادشاہ حقیقی قادر مطلق ہرگز ایسا نہیں کہ اس کے ملک میں بے اس کے حکم کے ایک ذرہ جنبش کر سکے ۔ وہ صاحب کہتے ہیں فکانما القمنی حجرا مولیٰ علی نے یہ جواب دے کر گویا میرے منہ میں پتھر رکھ دیا کہ آگے کچھ کہتے بن ہی نہ پڑا ۔

مختار افعال و اعمال ہے۔ حتیٰ کہ ان کے ہاں انسان اپنے افعال کا خالق ہے۔ حضرت امام جعفر رضی اللہ

عمرو بن عبید معتزلی کہ بندے کے افعال خدا کے ارادہ سے نہ جانتا تھا۔ خود کہتا ہے۔

کہ مجھے کسی نے ایسا الزام نہ دیا جیسا ایک مجوسی نے دیا جو میرے ساتھ جہاز میں تھا۔ میں نے کہا تو مسلمان کیوں نہیں ہوتا۔ کہا خدا نہیں چاہتا۔ میں نے کہا خدا تو چاہتا ہے مگر شیطان تجھے نہیں چھوڑتا۔ بولا تو میں شریک غالب کے ساتھ ہوں۔ اسی ناپاک شناعت کے رو کی طرف مولیٰ علی نے اشارہ فرمایا کہ وہ نہ چاہے تو کیا کوئی زبردستی اس کی معصیت کرے گا۔ باقی رہا اس مجوسی کا عذر وہ بعینہٖ ایسا ہے کہ کوئی بھوکا ہے۔ بھوک سے دم نکلا جاتا ہے۔ کھانا سامنے رکھا ہے۔ اور نہیں کھاتا کہ خدا کا ارادہ نہیں۔ اس کا ارادہ ہوتا تو میں ضرور کھا لیتا۔ اس احمق سے یہی کہا جائے گا کہ خدا کا ارادہ نہ ہوتا تو نے کاہے سے جانا۔ اسی سے کہ تو نہیں کھاتا۔ تو کھانے کا قصد تو کر دیکھ تو ارادہ الٰہیہ سے کھانا ہو جائے گا۔ ایسی اوندھی مت اسی کو آتی ہے۔ جس پر موت سوار ہے۔ غرض مولیٰ علی نے یہ تو اس کا فیصلہ فرمایا کہ جو کچھ ہوتا ہے بے ارادہ الٰہیہ نہیں ہو سکتا۔ دوسری بات کہ سزا و جزا کیوں ہے؟۔

اس کا یوں فیصلہ ارشاد ہوا۔ ابن ابی حاتم و اصبہانی و اللالکائی و خلعی حضرت امام جعفر صادق اپنے والد ماجد حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

قال قیل لعلی بن ابی طالب ان ھھنا رجلا یتکلم فی المشیئۃ فقال یاعبداللہ خلقک اللہ لما شاء اولما شئت ؟ قال لما شاء قال فیمرضک اذا شاء او اذا شئت ؟ قال بل اذا شاء۔ قال فیمیتک اذا شاء او اذا شئت ؟ قال اذا شاء۔ قال فیدخلک حیث شاء او حیث شئت ؟ قال حیث شاء۔ قال واللہ لوقلت غیر ھذا الضربت الذی فیہ عیناک بالسیف۔ ثم تلا علی فما تشاءون الا ان یشاء اللہ ھو اھل التقوٰی واھل المغفرۃ۔

مولیٰ علی سے عرض کی گئی کہ یہاں ایک شخص مشیت میں گفتگو کرتا ہے۔ مولیٰ علی نے فرمایا اے خدا کے بندے خدا نے تجھے اس لیے پیدا کیا جس لیے اس نے چاہا یا اس لیے جس

عنہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں نظریات باطل ہیں۔ اور افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ سچا مذہب تو اُن کے

لیے تو نے چاہا۔ کہا جس لیے اس نے چاہا۔ فرمایا تجھے جب وہ چاہے بیمار کرتا ہے یا جب تو چاہے۔ کہا بلکہ جب وہ چاہے۔ فرمایا تجھے اس وقت وفات دے گا جب وہ چاہے۔ یا جب تو چاہے۔ کہا جب وہ چاہے۔ فرمایا تو تجھے وہاں بھیجے گا جہاں وہ چاہے یا جہاں تو چاہے۔ کہا جہاں وہ چاہے۔ فرمایا خدا کی قسم تو اس کے سوا کچھ اور کہتا تو یہ جس میں تیری آنکھیں ہیں۔ یعنی تیرا سر تلوار سے مار دیتا۔ پھر مولیٰ علی نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی۔

"اور تم کیا چاہو۔ مگر یہ کہ اللہ چاہے وہ تقویٰ کا مستحق اور گناہ عفو فرمانے والا ہے"۔

خلاصہ یہ کہ جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔ بناتے وقت تجھ سے مشورہ نہ لیا تھا۔ بھیجتے وقت بھی نہ لے گا۔ تمام عالم اس کی ملک ہے اور مالک سے دربارۂ ملک سوال نہیں ہو سکتا۔

ابن عساکر نے حارث ہمدانی سے روایت کی۔ ایک شخص نے آکر امیرالمومنین مولیٰ علی سے عرض کی۔ یا امیرالمومنین مجھے مسئلہ تقدیر سے خبر دیجئے۔ فرمایا اللہ کا راز ہے۔ تجھ پر پوشیدہ ہے۔ اُسے نہ کھول عرض کی یا امیرالمومنین مجھے خبر دیجئے۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَکَ کَمَا شَآءَ اَوْ کَمَا شِئْتَ ؟

اللہ نے تجھے پیدا کیا۔ جیسا اس نے چاہا یا جیسا تو نے چاہا۔ عرض کی جیسا اس نے چاہا فرمایا:

فَیَسْتَعْمِلُکَ کَمَا شَآءَ اَوْ کَمَا شِئْتَ ؟

تو تجھ سے کام ویسا لے گا۔ جیسا وہ چاہے یا جیسا تو چاہے۔ عرض کی جیسا وہ چاہے فرمایا

فَیَبْعَثُکَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ کَمَا شَآءَ اَوْ کَمَا شِئْتَ ؟

تجھے قیامت کے دن جس طرح وہ چاہے۔ اٹھائے گا یا جس طرح تو چاہے۔ کہا جس طرح وہ چاہے۔ فرمایا:

اَیُّھَا السَّآئِلُ تَقُوْلُ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِمَنْ

اے سائل تو کہتا ہے کہ نہ طاقت ہے نہ قوت ہے۔ مگر کس کی ذات سے کہا۔ اللہ علی عظیم

مابین اور وسط جبر و قدر ہے ۔

کی ذات ہے ۔ فرمایا تو اس کی تفسیر جانتا ہے ۔ عرض کی امیر المومنین کو جو علم اللہ نے دیا ہے ۔ اس سے مجھے تعلیم فرمائیں ۔ فرمایا :

اَنَّ تَفْسِیْرُهَا لَا یَقْدِرُ عَلٰی طَاعَةِ اللّٰهِ وَلَا یَکُوْنُ قُوَّةٌ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ فِی الْاَمْرَیْنِ جَمِیْعًا اِلَّا بِاللّٰهِ ۔

اس کی تفسیر یہ ہے کہ نہ طاعت کی طاقت نہ معصیت کی قوت ۔ دونوں اللہ ہی کے دیے سے ہیں ۔ پھر فرمایا ۔

اَیُّهَا السَّائِلُ اَلَکَ مَعَ اللّٰهِ مَشِیْئَةٌ اَوْ دُوْنَ اللّٰهِ مَشِیْئَةٌ فَاِنْ قُلْتَ اِنَّ لَکَ دُوْنَ اللّٰهِ مَشِیْئَةً فَقَدِ اکْتَفَیْتَ بِهَا عَنْ مَشِیْئَةِ اللّٰهِ وَاِنْ زَعَمْتَ اَنَّ لَکَ فَوْقَ اللّٰهِ مَشِیْئَةً فَقَدِ ادَّعَیْتَ مَعَ اللّٰهِ شِرْکًا فِیْ مَشِیْئَتِهٖ ۔

اے سائل تجھے خدا کے ساتھ اپنے کام کا اختیار ہے ۔ یا بے خدا کے ۔ اگر تو کہے کہ بے خدا کے تجھے اختیار حاصل ہے ۔ تو تو نے ارادہ الٰہیہ کی کچھ حاجت نہ رکھی ۔ جو چاہے خود اپنے ارادہ سے کرے گا خدا چاہے یا نہ چاہے ۔ اور یہ سمجھے کہ خدا سے اوپر تجھے اختیار حاصل ہے ۔ تو تو نے اللہ کے ارادے میں اپنے شریک ہونے کا دعویٰ کیا ۔ پھر فرمایا :

اَیُّهَا السَّائِلُ اَللّٰهُ یَشُجُّ وَیُدَاوِیْ فَمِنْهُ الدَّاءُ وَمِنْهُ الدَّوَاءُ اَعَقَلْتَ عَنِ اللّٰهِ اَمْرَهٗ ۔

اے سائل بے شک اللہ زخم پہنچاتا ہے اور اللہ ہی دوا دیتا ہے ۔ تو اسی سے مرض ہے ۔ اور اسی سے دوا ۔ کیوں تو نے اب تو اللہ کا حکم سمجھ لیا ۔ اس نے عرض کی ہاں ۔ حاضرین سے فرمایا :

اَلْاٰنَ اَسْلَمَ اَخُوْکُمْ فَقُوْمُوْا فَصَافِحُوْهُ ۔

اب تمہارا یہ بھائی مسلمان ہوا ۔ کھڑے ہو اس سے مصافحہ کرو ۔ پھر فرمایا ۔

لو ان عندی رجلا من القدریة لاخذ برقبته ثم لا ازال اخذ ها حتی

عقل اس توسط کی حقیقت کے دریافت کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔ فی الحقیقت یہ حیرانی

اقطعها فانهم یهود هذه الامة ونصاراها ومجوسها۔

اگر میرے پاس کوئی شخص ہو جو انسان کو اپنے افعال کا خالق جانتا تقدیر الٰہی سے وقوع اطاعت و معصیت کا انکار کرتا ہو تو میں اس کی گردن پکڑ کر دبوچتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ الگ کاٹ دوں۔ اس لیے کہ وہ اس امت کے یہودی و نصرانی و مجوسی ہیں۔ یہودی اس لیے فرمایا کہ اُن پر خدا کا غضب ہے اور یہود مغضوب علیہم ہیں۔ اور نصرانی و مجوسی اس لیے فرمایا کہ نصاریٰ تین خدا مانتے ہیں۔ مجوسی یزدان و اہرمن دو خالق جانتے ہیں۔ یہ بے شمار خالقوں پر ایمان لا رہے ہیں۔ کہ ہر جن و انس کو اپنے اپنے افعال کا خالق گا رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔

یہ اس مسئلہ میں اجمالی کلام ہے۔ مگر انشاء اللہ تعالیٰ کافی و وافی و صافی و شافی جس سے ہدایت والے ہدایت پائیں گے اور ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ وللہ الحمد واللہ سبحٰنہ و تعالیٰ اعلم۔

ماخوذ۔ ثلج الصدر و ایمان القدر

اور بجز ان لوگوں کے لیے اور مشکلات پیدا کر دیتی ہے جو بحث و جدال سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ عقل کے منتقدات کو حل کرنا چاہتے ہیں اور جو چیزیں ان کی عقل و خرد میں نہیں آتیں۔ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ لیکن اہل ایمان کے لیے تو آخری اور قطعی دلیل کلام الہٰی ہوتی ہے۔ جس میں ہر بات موجود ہے کہ تمام امور خدا کی قدرت اور ارادہ سے ہوتے ہیں باوجودیکہ کہ طاعات و معاصی کی نسبت بندوں کی طرف کر دی جاتی ہے۔

—— بندوں کے افعال ۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔

خدا ان پر ظلم نہیں کرتا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے ۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۔

اللہ نے تم کو پیدا کیا۔ اور ان تمام کاموں کو بھی جنہیں تم کرتے ہو ۔

ان دونوں آیات میں اعمال کے پیدا کرنے کو اپنی طرف منسوب کیا۔ مگر عمل کے ارتکاب کو اپنے بندوں سے نسبت دی ہے۔ ایمانی نقطہ نظر سے یہ دونوں باتیں درست ہیں اور یہ بات کتنی درست ہے کہ اللہ ایک چیز کا خالق ضرور ہے۔ مگر اسے کرنا انسان سے ہی وابستہ ہے اس دلیل کے باوجود بھی اس بحر عمیق کی حقیقت و کنہ ہمارے علم سے باہر ہے ۔

دوسری یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ شریعت اور امر و نہی کا ثبوت اختیار سے ہی ہے۔ لہٰذا اختیار کا قائل ہونا بڑا ضروری ہے ۔ اور اس مسئلہ کو بھی شارع علیہ السلام سے معلوم ہوا ہے۔ جب دونوں نظریات شرع سے حل ہوتے ہیں۔ تو پھر نزاع و جدال کی کوئی صورت نہیں رہتی ۔ دونوں پر ایمان لانا بڑا ضروری ہے۔

—— قضا و قدر پر ایمان

امر متوسط پر ہی اعتقاد رکھنا ضروری ہے ۔ فی الحقیقت اس مسئلہ پر غور کرنا اور اس کو عقلی قوت سے حل کرنے کی کوشش کرنا جہالت و گمراہی کی علامت ہے ۔ اور کوئی حقیقت موقوف نہیں۔ ہمارے لیے تو بس عمل کرنا ضروری ہے ۔ باقی حقیقت حال کا جاننے والا اللہ ہے ۔

اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ۔

عمل کرو۔ ہر شخص اس کام کیلیے آسانی میں رکھا گیا ہے جس کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

اگر شارع علیہ السلام سے سننے کے بعد تردد اور قلبی خلجان بھی باقی رہے تو اس سے بہتر کسی اور دین و مشرب کی تلاش کرنا چاہیئے۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) ایمان کی حقیقت بس اسی میں ہے۔ جب شارع علیہ السلام سے سن لو تو اسے قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرو۔ لیکن اگر تم نے اپنی عقل کو ایمان پر مقدم جانا تو تمہارا ایمان عقل پر تو کامل ہو سکتا ہے۔ شارع علیہ السلام پر نہیں۔

ـــ ہدایت و گمراہی اور مشیت ایزدی:

ہمیں اس مسئلہ (جبر و قدر) کے اثبات میں پہلے سے اسی مسلک پر چلنا چاہیئے تھا یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس کتاب کو نہایت معتدل اور اوسط انداز پر سپرد قلم کیا ہے۔ مگر کیا کیا جائے بعض اوقات قلم کی طغیانی اپنا رنگ لائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ خداوند تعالیٰ ہمیں خطا و خلل سے محفوظ رکھے۔

وَاللّٰہُ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔

اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت دے۔

انسان میں ہدایت و گمراہی کا پیدا کرنے والا تو اللہ ہی ہے۔ جسے چاہے گمراہ کرے، جسے چاہے راہ ہدایت پر رکھے۔ جسے وہ گمراہ کرے کوئی اسے راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ جسے وہ ہدایت دے کوئی اسے گمراہ نہیں کر سکتا۔ قرآن و حدیث دونوں سے ہی یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ ہاں قرآن کریم ہدایت کی نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتا ہے۔ اور گمراہی کی نسبت شیطان اور بتوں کی طرف ہوتی ہے۔ ہمیں ان دونوں نسبتوں پر ایمان و اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔

ـــ ہدایت کے معنی۔

ہدایت کے دو معنی ہیں۔ ایک سیدھا راستہ بتانا اور دوسرے سیدھے راستے سے منزل مقصود تک پہنچانا۔ دوسرے معنی اللہ کی ذات سے مخصوص ہیں۔ اور کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں ہیں۔ مگر ہدایت کے پہلے معنے قرآن حکیم اور نبی علیہ السلام کی ذات سے والبستہ ہیں۔ یہ دونوں سیدھا راستہ بتاتے ہیں۔ مگر سیدھے راستہ سے مقصود کی طرف پہنچانا اللہ کا کام ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ اور اِنَّکَ لَتَهْدِیْ دونوں درست ہیں۔ اول الذکر میں نفی اس بات کی ہے کہ اے نبی آپ مقصود تک نہیں پہنچا سکتے۔ اور ثانی الذکر میں آپ کا ہدایت کرنا ثابت کیا گیا ہے۔ اثبات راستہ بتانے اور اس پر چلانے پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر کو ہدایت کا سبب اور شیطان کو گمراہی کا سبب بنایا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دینے والا ہے اور وہی توفیق بخشنے والا ہے۔

عذاب قبر:

اہل سنت وجماعت کے اعتقادات میں سے عذاب قبر کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ قبر سے (مراد عالم برزخ ہے) جو دنیا اور آخرت کے درمیان تعلق کا کام دیتا ہے۔ یہ عذاب کافروں اور فاسق مومنوں کے لیے ضروری ہے۔ یہ لوگ اس عالم برزخ میں محنت و عذاب سے گذریں گے اور خداوند تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ناز و نعمت سے مالا مال ہونگے۔ اور اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو جیسے چاہے گا ان تک پہنچائیگا۔ منکر اور نکیر دو فرشتوں کے نام ہیں۔ جو بڑے ہی عظیم ہیبتناک۔ سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے ہیں (وہ قبر میں آتے ہیں) اور ہر انسان سے اس کے پروردگار اس کے رسول اور اس کے دین کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تعلیم کی برکت سے ان کے سوالات کے جوابات حق کے مطابق ہوں گے تو اس شخص کے لیے ناز و نعمت کے دروازے کھل جائیں گے اور وہ نئی دلہن کی طرح خواب راحت میں رہے گا۔ اور وہی تنگ و تاریک قبر اس کے لیے جنت کے باغات میں سے ایک باغ بنا دی جائے گی اور اگر اسکے جواب صحیح نہ ہوں گے تو اسے عذاب و محنت برداشت کرنا ہوں گے۔ اور اس کی قبر دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بنا دی جائے گی۔

اس موضوع پر آیات و احادیث ناطق ہیں۔ ہمیں ان پر ایمان لانا چاہیئے۔ اور عذاب قبر کی ساری کیفیتوں کو اللہ کے علم کے حوالے کرنا چاہیئے۔ خواہ یہ کیفیتیں عالم برزخ کی زندگی کے متعلق ہوں یا روح کے متعلق ہوں۔ ان کیفیتوں کو جس طرح قادر مطلق چاہتا ہے اور جانتا ہے۔ اسی طرح ہی

تسلیم کرنا ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک ان چیزوں سے باخبر ہونا ہی کافی ہے۔ ان کا ادراک ضروری بات نہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ منکر و نکیر گناہ گاروں کے لیے ہیبتناک فرشتے بن کر آتے ہیں۔ مگر نیک انسانوں کے لیے مبشر اور بشیر نامی فرشتے قبر میں آتے ہیں۔ یہ بات سقم سے خالی نہیں ہے۔ اگرچہ احادیث میں اس کا ذکر بہت ہی تھوڑا ہے۔

ان علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ چونکہ فرشتے ہر قسم کے لوگوں سے سوال کرتے ہیں اور ان ہی میں سے بعض لوگ جواب دینے سے قاصر و منکر ہوتے ہیں اور بعض صحیح جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ اس نسبت سے ان کا نام منکر اور نکیر رکھ دیا گیا۔ تاکہ ہر میت پر یہ دونوں فرشتے سوالات لے کر پہنچیں۔ چنانچہ ہر انسان کے نامہ اعمال میں دو فرشتے موکل کی حیثیت میں ہوتے ہیں۔ اور یہی دو شخص متعدد مقامات میں ایک ہی زمانے میں متمثل ہوتے رہتے ہیں۔ (یعنی ان کی مثالی صورتیں ہر اور ہر زمان میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں)۔

خلاصہ اور بزازی کے مصنف نے اپنے فتویٰ میں اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ منکر و نکیر کے سوالات میت کے دفن کرنے کے بعد نہیں ہوتے۔ بلکہ ظاہری زندگی سے علیحدہ ہونے کے بعد ہر صورت میں سوال ہوتے ہیں۔ جب میت کو کسی تابوت میں رکھا جاتا ہے۔ تو اس کو وہاں سے منتقل کرنے کی نیت سے کسی دوسرے مقام پر پہنچایا جاتا ہے۔ اور اگر کسی کو درندہ بھی کھا جائے تو اس کے پیٹ میں ہی اس سے سوال کر لیے جاتے ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ انبیاء کرام سے قبر میں سوال نہیں کیے جاتے اور اگر ان سے استفسار کیا بھی جاتا ہے۔ تو صرف توحید اور احوال امت پر ہی استفسار کیا جاتا ہے۔ اور اس استفسار میں بھی انبیاء کرام کا شرف و تعظیم برقرار رکھا جاتا ہے۔

اطفال مومنین سے سوال

مومنین کے چھوٹے بچوں سے قبر میں سوال کے متعلق علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ ان سے سوال کیے جاتے ہیں۔ لیکن ملائکہ ان سوالات کی صورت میں انہیں تلقین کرتے ہیں کہ وہ کہیں کہ "اللہ ربی" و "دینی الاسلام و نبی محمد"۔ یا اللہ تعالیٰ انہیں الہام کرتا ہے تاکہ

وہ ان سوالات کا ایسے ہی جواب دیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پنگوڑے میں دیئے تھے۔

اطفال مشرکین سے سوال

مشرکین کے اطفال کے متعلق امام ابوحنیفہؒ نے توقف کیا ہے اور انہوں نے دلائل میں تعارض کی وجہ سے خاموشی اختیار کی ہے۔ اور ان کے ثواب و عذاب کے متعلق بھی کوئی واضح رائے قائم نہیں کی۔ لیکن بعض علما کا خیال ہے کہ ایسے بچے دوزخ میں جائیں گے اور بعض کہتے ہیں۔ کہ بہشت میں۔ محمد بن الحسین فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے گناہ عذاب نہیں کرتا اس لیے یہ بچے مسئول نہ ہوں گے۔

جنوں سے بھی قبر میں سوال کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے متعلق بہت سی دلیلیں پائی جاتی ہیں۔ امام ابوحنیفہ مسلمان جنوں کے ثواب کی کیفیت کے متعلق توقف کرتے ہیں۔ مگر کافر جنوں کے متعلق معذب ہونے پر اتفاق کرتے ہیں۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یقینی کافر سے سوال نہیں ہوگا اور اسے سوال کے بغیر ہی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ مگر منافق سے سوال کیا جائے گا۔

بعض شارحین حدیث نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ وہ مومنین جو شہید ہوئے یا اللہ کے راستے میں قربان ہوئے یا جمعہ اور جمعرات کو فوت ہوئے یا جو لوگ ہر رات سورۂ ملک پڑھتے رہے یا سنسقا اور دستوں کی بیماری سے مرے یہ بھی سوالات قبر سے مستثنیٰ قرار دیئے گیے ہیں۔ ترمذی اور ابن عبدالبر نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ سوال قبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت عظمیٰ کے خواص میں سے ہے۔ ان کی رائے ہے کہ عالم برزخ میں ان کے عذاب میں جلدی کرنے میں حکمت یہ ہے۔ کہ ان کے گناہوں کو جلدی سے جلدی محو کر دیا جائے تاکہ وہ قیامت کے دن تمام گناہوں سے پاک ہو کر میدان حشر میں پہنچیں۔ یہی بات شرح عقیدۂ طحاوی میں بیان کی گئی ہے۔

عذاب قبر

اللہ احادیث میں آیا ہے کہ گنہگار کی قبر میں ستر اژدہا اور بچھو ہوں گے۔ اور ان کے زہر کی شدت کا یہ عالم ہوگا کہ اگر ان میں سے ایک بھی ڈس لے تو دنیا کے تمام درخت جل کر خاکستر ہو جائیں حقیقت یہ ہے کہ یہ سانپ اور بچھو انسان کی صفات ذمیمہ افعال قبیحہ اور دنیاوی تعلقات کی نمود صورتیں ہیں۔ جنہیں عالم قبر میں سانپ اور بچھوؤں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ یہ ستر کے اعداد کا

ذکریا تو کثرت کے لیے بیان کیا گیا ہے یا اصول صفات کے اعداد پر شارع علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے۔

اس قسم کی چیزوں کے اعتقادات اور ایمان کے متعلق مخبر صادق نے جو خبریں دی ہیں۔ وہ دو طریقوں پر ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ سانپ اور بچھوؤں کا وجود اور ان کا میت کو ڈسنا امر واقع ہے اور یہ ایسی چیزیں اکثر مشاہدے میں آئی ہیں۔ لیکن بعض اوقات ہماری آنکھیں انہیں نہیں دیکھ سکتیں۔ کیونکہ اس دنیا میں ظاہری آنکھوں کے ساتھ عالم ملکوت کے مشاہدہ پر انسان کے اختیار میں نہیں۔ مگر وہ لوگ جن کی نگاہ عالم ملکوت کا مطالعہ کر سکتی ہے۔ ان کے لیے یہ چیزیں عیاں ہیں۔ چنانچہ بعض انبیأ اور اولیا نے جبرائیل علیہ السلام کو عمومی شکل میں دیکھا۔ اور خصوصی شکل میں آنحضرت کے بغیر اس کوئی بھی نہیں دیکھ سکا۔ ایسا دیکھنا اور مخلوقات کو دکھانا قدرت الٰہی کا کرشمہ ہے۔ خواہ یہ جسمی حالت میں ہو یا روحانی صورت میں۔ اگر کسی کے سامنے پہاڑ بھی رکھ دیا جائے اور اس نے آنکھیں بھی کھول رکھی ہوں۔ اگر خدا اس پہاڑ کو نہ دکھائے تو نہیں دیکھ سکتا اور اگر وہ دکھائے تو ارواح کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایمان کا امتحان اعتقاد کی صحت اور رسول اللہ کی متابعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس بات پر اعتقاد رکھا جائے کہ ان سانپوں اور بچھوؤں کا دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے خواب میں دیکھا جاتے۔ کیونکہ سانپ اور بچھو اور ان کا کاٹنا اور اس سے درد محسوس کرنا صرف سونے والے کے ہی اندازے میں ہوتا ہے اور اس پر جو کچھ گذرتی ہے وہ اسے محسوس کرتا ہے۔ اگرچہ اس کیفیت کو دوسرے لوگ محسوس نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ دوسرا طریقہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ جب کہ پہلا کامل ایمان کی نشانی ہے۔

موت کے بعد زندگی

مُردوں کو قبر سے اٹھانا اور انہیں دوبارہ زندگی دینا برحق ہے۔ قرآن وحدیث ان دلائل سے بھرے پڑے ہیں۔ اور دین اسلام کے اعتقاد کا دارومدار بھی اسی مسئلہ پر ہے۔ جس ذات نے بالکل عدم سے ساری چیزوں کو زندگی دی اور تم عدم سے وجود بخشے۔ وہ دوسری بار بھی اس بات پر قدرت رکھتی ہے کہ پیدا کر سکے۔

هُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ۔

حقیقت میں انسانی زندگی کی نشو و نما کو باقی رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے نسل انسانی کو "عجب الذنب" کی صورت میں باقی رکھا جائے گا۔ اور جس طرح صحرا و بیابان میں بارش کے بعد خود رو گھاس نمودار ہو جاتی ہے۔ قیامت کے دن انسان بھی قبروں سے نمودار ہوں گے۔

احادیث میں آتا ہے۔ بارش آسمان سے ہوتی ہے۔ مگر مردے زمین سے نمودار ہوں گے۔ انسان کے علاوہ تمام حیوانات مثلاً وحشی جانور، پرندے۔ چرندے اور حشرات الارض بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ تاکہ حلیم مطلق ایک دوسرے سے انتقام دلا سکے۔ حدیث احمد و مسلم میں آیا ہے کہ قیامت کے دن خدا کی مخلوق ایک دوسرے سے انتقام لے گی حتیٰ کہ بے سینگ بکری اس بکری سے انتقام لے گی۔ جو زندگی میں اپنے سینگوں سے زیادتی کرتی رہی۔ حتیٰ کہ ایک ادنیٰ سی چیونٹی جسے ناحق تنگ کیا گیا تھا۔ انتقام لینے کی مجاز ہو گی۔ چونکہ ایسے انتقام میں کسی قسم کا اختصاص نہیں ہو گا۔ اس لیے بعض علماء نے رائے قائم کی ہے۔ کہ ایک بچہ دوسرے بچے سے بھی انتقام لے سکے گا۔ اس قصاص گیری و انتقام پذیری کے بعد تمام حیوانات کو معدوم کر دیا جائے گا۔ جو حیوانات انسانی غذا کے کام آئے۔ انہیں خاک جناں بنا دیا جائے گا۔

بعث و نشور کا آغاز نفخ صور سے ہو گا۔ سب سے اولین صور قیامت برپا ہونے کے ساتھ ہی پھونکا جائے گا۔ جس سے اہل زمین و آسمان میں وحشت طاری ہو جائے گی۔ اور اس طرح خوف و ہراس پیدا ہو گا۔ دلوں کا سکون اور اطمینان ختم ہو جائے گا۔ اور تمام جاندار چیزیں مر جائیں گے۔

یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ

جب صور پھونکا جائے گا تو زمین و آسمان سے تمام چیزیں معدوم ہو جائیں گے۔ مگر جنہیں اللہ چاہے۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ

جب صور پھونکا جائے گا۔ زمین و آسمان کی ہر چیز ختم ہو جائے گی مگر جنہیں اللہ چاہے۔

دوسری بار جب صور پھونکا جائے گا تو مردے قبروں سے اٹھیں گے۔ اور ادھر ادھر پھیلتے جائیں گے جیسے کہ اس آیۂ شریفہ میں ہے۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ ۔

پھر دوسری بار پھونکا جائے گا۔ تو سب لوگ کھڑے ہوں گے۔ ایک اور جگہ فرمایا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ۔

ان دونوں کیفیات کا درمیانی عرصہ چالیس سال ہوگا۔

مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ

کے حکم عام سے ایک بات یہ بھی واضح ہوتی ہے۔ کہ نفخ صور کے اثرات زمین و آسمان کی تمام مخلوقات پر یکساں ہوں گے۔ انسان جن اور فرشتے بھی اسی زد میں آئیں گے البتہ اِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ میں جبرائیل۔ میکائیل۔ اسرافیل و عزرائیل حور و غلمان و حملۂ عرش اور شہدا آتے ہیں۔

قیامت کیا ہے

کبھی تو نفخ صور کو قیامت کہا جاتا ہے۔ مگر بعض نے ابتدائے موت سے لیکر دخول جنت تک کے سارے عرصہ کو قیامت سے تعبیر کیا ہے۔ حقیقت میں اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے۔ ہر روز ایسے حالات انسانوں پر گذرتے رہتے ہیں۔ لیکن لوگ پھر بھی روز قیامت کے حالات سے غافل و بے خبر ہیں۔ حدیث پاک میں ہے۔ کہ جس وقت شام آتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں غم و اندوہ وحشت و خوف چھا جاتا ہے۔ تمام پرندے اور حیوانات اپنے اپنے آشیانوں اور پناہ گاہوں میں آ کر گھس جاتے ہیں۔ اور رات کو نیند کی وادی میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور ان پر ایک قسم کی موت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ نفخ اولین کا معمولی سا اثر ہے۔ پھر نمودار ہوتے ہی تمام جاندار بے اختیار بیدار ہو کر اپنے اپنے کاروبار کے لیے ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں۔ یہ نفخ ثانی کی علامت ہے۔ اور نشور ظاہر ہوتا ہے۔

سُبْحَانَ الْقَادِرِ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ

میزان عدل

قیامت کے دن انسانوں کے اعمال و افعال کی چھان بین اور ان کا وزن ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ تمام افعال و اعمال کو پوری طرح جانتا ہے۔ مگر پھر بھی وزن اعمال میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ایک حکمت تو یہ ہے۔ کہ اس طریقہ سے انسان پر اپنے اعمال کی حقیقت خود بخود عیاں ہو جائے گی۔ اور دوسری حکمتوں کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ اور وہی خوب جانتا ہے۔ ہمیں صرف اس میزان

اور اعمال کے میزان کی کیفیت معلوم کرنا ضروری نہیں ۔ صرف اسے تسلیم کرنا ہی ایمان کے لیے کافی ہے ۔

میزان کے متعلق یہ بات تحقیق سے کہی جا سکتی ہے ۔ وہ حقیقی ترازو ہے ۔ اس کے دو پلڑے ایک ڈنڈی اور ایک سوئی (جس سے وزن دیکھا جا سکے) ہے ۔ ہر پلڑا زمین و آسمان کی وسعتوں سے کہیں زیادہ ہو گا ۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بتایا ۔ کہ اگر زمین و آسمان اور ان کی ساری موجودات کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے تو سما جائے گا ۔ نیکیوں کا پلڑا عرش کی دائیں جانب جنت کے دروازہ کے عین سامنے ہو گا ۔ اور گناہوں کا پلڑا عرش کی بائیں جانب دوزخ کے بالکل سامنے ہو گا ۔

بعض علمائے کرام نے کہا ہے ۔ کہ میزان سے مراد ایک چیز ہے جس سے اعمال کا اندازہ کیا جا سکے ۔ خواہ میزان کی شکل و صورت کچھ ہی ہو ۔ مقصد یہ ہے ۔ کہ قیامت کے دن عدل کو ظاہر کیا جائے میزان تو اس کی تمثیل ہے ۔ یہ علمائے کرام کی یہ رائے محض تاویلی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میزان کا وجود محض تمثیلی ہی نہیں حقیقی ہے ۔ اور احادیث اس پر شاہد ہیں ۔ اس پر ایمان لانا چاہیئے اور عقلیات کے فریب میں نہیں آنا چاہیئے ۔

جن اعمال کو تولا جائے گا ۔ ان کی ایک صورت تو یہ ہو گی کہ اللہ تعالیٰ ان نیک اعمال کو نورانی صورتوں میں ظاہر کرے گا اور برائیوں کو ظلماتی اجسام میں رونما کرے گا ۔ اور اسی طرح وزن کیا جائے گا ۔ اعمال کے صحیفے بھی تولے جائیں گے ۔ اور وہ صحیفے انسانوں کے اعمال کے پیش نظر ہلکا یا بوجھل کر دیں گے ۔ بطاقہ کی حدیث اس مسئلہ کی وضاحت کرتی ہے ۔ بطاقہ کاغذ کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جس میں کسی سامان کی قیمت درج کی جائے ۔ یہاں مراد یہ ہے ۔ کہ اگر کسی کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو گا ۔ تو اس میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ کر رکھ دیا جائے گا ۔ وہ پلڑا بھاری ہو جائے گا ۔ بعض علمائے کرام نے ان دونوں حدیثوں کو تطبیق دے کر بیان کیا ہے ۔ کہ اعمال اور صحائف دونوں تولے جائیں گے ۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ

میں موازین یعنی بہت سے ترازوں سے مراد یہ ہے ۔ کہ ہر امت ہر جماعت کے ہر عمل کے

لیے ترازو ہوگا۔ اور کوئی چیز یا انسان اس میزان عدل سے نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا۔ اس ترازو کی عظمت اور کثرتِ اجزا کی بنا پر بھی جمع کا صیغہ لایا گیا ہے[1]۔

اس شخص کے اعمال کا میزان عدل پر لانا جس سے ایک بھی نیکی سرزد نہ ہوئی ہو۔ یا وہ ایک بھی برائی کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ اظہار رسوائی۔ اور اظہار شرافت کے لیے ہوگا۔ کافروں کے اعمال تولنے میں بھی حکمت ہے۔ ورنہ کفار کے پاس نیکیاں کہاں ہیں۔ جن کا وزن کیا جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے۔ کہ بعض کفار کی بعض خلق نیکیاں ان کے عذاب میں تخفیف کا سبب بن سکیں۔ کہتے ہیں۔ آخرت کے ترازو کا ہلکا یا بھاری ہونا۔ دنیا کے ترازو کی طرح نہیں ہوگا۔ جو پلڑا اوپر کو اٹھ جائے گا اسے بھاری سمجھا جائے گا۔ اور جو نیچے رہے گا۔ اسے ہلکا تصور کیا جائے گا۔ لیکن بطاقہ کی حدیث اس بات کی تردید کرتی ہے۔

اعمال نامے

وہ اعمال نامے جن میں انسانوں کے گناہ و ثواب درج ہیں۔ حق ہیں۔ مومنوں کے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور کافروں کو بائیں ہاتھ میں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مومنوں کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ اور کفار کو ان کے بائیں ہاتھ پس پشت دیئے جائیں گے۔ ان کا بائیاں ہاتھ ان کی پشت سے چپٹا ہوگا۔ بعض کفار کے بائیں ہاتھ سینے سے پچھلی طرف چپٹا دیئے جائیں گے۔ یہ بات مومن و کافر میں تمیز کرنے کے لیے کی جائے گی۔ تاکہ مومن کی عزت اور کافر کی رسوائی کی جائے۔

گنہگار مومن کے معاملہ میں علمائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے نامہائے اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ مگر یہ انعام سزا بھگتنے اور دوزخ سے برآمد ہونے کے بعد ہوگا۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ اعمال نامے تو دائیں ہاتھ ہوں گے مگر وہ پڑھ نہیں سکیں گے۔ مگر دوزخ سے نکلنے کے بعد ہی پڑھ سکیں گے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ ان

---

[1] فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝

جس کے اعمال کا وزن بھاری ہوگا وہ آرام کی زندگی حاصل کریں گے اور جن کے وزن ہلکے ہیں۔ وہ دوزخ میں ہیں کے [illegible] جمع کا اشارہ ہے۔ مترجم۔

لوگوں کو نہ بائیں ہاتھ نہ دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ بلکہ ان کے سامنے رکھے جائیں گے بعض علما کی تحقیق یہ ہے۔ کہ اعمال نامے دینے کی بجائے اُن لوگوں کو پڑھ کر سنا دیئے جائیں گے۔ حق بات یہ ہے۔ کہ اس ضمن میں کوئی نص صریح موجود نہیں۔ اور مندرجہ بالا اختلاف محض اجتہاد و استنباط کی بنا پر ہے۔ حساب اعمال بھی یقینی چیز ہے۔ جس طرح نامہ اعمال حق ہے ویسے ہی اس کا حساب بھی حق ہے۔

سوالات و استفسارات

خداوند تعالیٰ کا اپنے بندوں سے یہ دریافت کرنا کہ انہوں نے کیا کیا نیک کام کیے اور کن کن برائیوں کے مرتکب ہوئے۔ حق ہے۔ فرشتوں سے بھی حساب لیا جائے گا۔ سب سے پہلے جبرائیل آمین سے سوالات کیے جائیں گے۔ کہ انہوں نے وحی کی امانت پیغمبران خدا تک کس طرح پہنچائی۔ بعض احادیث میں یہ بھی ہے۔ کہ سب سے اول لوح محفوظ سے سوال ہوگا۔ جب اسے حاضر کیا جائے گا۔ تو وہ ہیبت خداوندی سے کانپ اٹھے گی۔ اور پوچھا جائے گا کہ تم نے علوم الٰہیہ کو جبرائیل تک پہنچانے کی صفائی میں تمہارا کون گواہ ہے۔ وہ کہے گی کہ میرا گواہ اسرافیل ہے۔ جب اسرافیل کو حاضر کیا جائے گا تو وہ بھی ہیبت الٰہی سے لرزہ براندام ہوگا۔ پھر پیغمبروں کو لایا جائے گا۔ اور ان سے تبلیغ وحی اور ادائے امانت رسالت کے متعلق سوالات کیے جائیں گے۔ عبادات میں سب سے پہلا سوال نماز کا ہوگا۔ اور معاملات میں خون کے متعلق پوچھا جائے گا۔ ظالم کی نیکیاں مظلوم کے حوالے کی جائیں گی۔ اور مظلوم کی برائیاں ظالم پر رکھی جائیں گی۔

حدیث میں آیا ہے۔ کہ ایک وانگ (چھ رتی وزن) کے بدلے سات سو مقبول نمازیں دی جائیں گی۔ بعض روایتوں میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس ستر پیغمبروں کا ثواب ہوگا۔ اور اس نے نصف وانگ دینا ہے۔ تو جب تک اپنے اس قرض خواہ کو راضی نہ کرے گا۔ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

عجیب بات ہے۔ کہ ایسا دن درپیش ہو۔ اور انسان بستر راحت پر دراز ہو کر کہتا رہے۔ جو میرے پاس ہے دوسرے کے پاس نہیں۔ جو کچھ میں جانتا ہوں دوسرا نہیں جانتا۔ عوام غفلت کا شکار ہیں۔ علماء بحث و مناظرہ میں الجھے ہوئے ہیں۔ صوفیا فخر و مباہات کے دعوے کر رہے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ انہیں کچھ خبر نہیں کہ آخرت میں ان سے کیا سلوک ہونے والا ہے۔ وہ اپنی بے

خبری میں اس قدر غافل ہیں کہ انہیں کچھ اندازہ نہیں کہ ان کے ساتھ کیا کچھ ہونے والا ہے۔ اور انہیں
کیسے سخت دن کا سامنا ہے۔ وہ سارا دن باتیں کرنے میں گذار دیتے ہیں۔ اور آخرت اور موت کی
فکر سے دور ہو چکے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اے بندگان خدا! اب رحمت خداوندی کی تلاش کرو۔ اگر وہ چاہے گا تو ان درمیان عصر حاضر کو دو
سے جنت دکھا کر راضی کر دے گا۔ اور فرمائے گا۔ اس کو کون خرید سکتا ہے۔ وہ اعتراف کریں گے۔ اے
اللہ! اسے کون خرید سکتا ہے۔ اس قدر مال و دولت کس کے پاس ہو سکتا ہے۔ اللہ کہے گا۔ تم خرید
سکتے ہو۔ کیونکہ اس کی قیمت تمہارے پاس موجود ہے۔ اگر اپنا حق اپنے مسلمان بھائی کو بخش دو۔ اور
اسے معاف کر دو۔ تو جنت تمہارے لیے ہے۔ رحمت خداوندی کا یہ اعلان سننے کے بعد وہ اپنے حق
بخش دیں گے اور جنت حاصل کر لیں گے۔

حدیث میں یہ بھی آیا ہے۔ کہ قیامت کے دن سوالات کرتے وقت اللہ تعالیٰ اپنے نیک
۔ بندوں کو رحمت کے پردے میں ڈھانپ لے گا۔ اور ان سے اس انداز سے سوال کیے جائیں گے
کہ غیروں کو خبر تک نہ ہو گی۔ اور فرمائے گا جس طرح دنیا میں ہم نے تمہارا گناہوں کو پردہ اخفا میں رکھا
تھا۔ اسی طرح آج اپنی رحمت سے بخش دیا ہے۔ ان کے نیک اعمال نامے ان کے ہاتھوں میں پکڑا
دیئے جائیں گے۔ کافروں اور منافقوں کو رسوا کیا جائے گا۔ اور یہ اعلان کیا جائے گا۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ فَسُبْحَانَ ذِي الْعَدْلِ الْقَوِيِّ وَالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

اگرچہ اس کی رحمت اپنا کام کرتی ہے۔ مگر اس کی عدالت سے ڈر بھی آتا ہے۔

؎ اگر در دہد یک صلائے کرم
عزازیل گوید نصیبے برم

اس شعر کے بعد ہمیں اس شعر کو بھی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

؎ بہ تہدید اگر بر کشد تیغ حکم
بمانند کروبیاں صم و بکم

ڈر آ ہو آتا ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

اور ایک دوسری جگہ آتا ہے۔

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُوْنَ ○

عجز و حیرت اور بیچارگی کے بغیر چارہ کار نہیں۔ ہمیں دونوں چیزوں پر ایمان رکھنا چاہیئے مالک اور حاکم تو وہی ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

حوض کوثر

حوض کوثر کا وجود و قیام حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن حوض کوثر کا مالک و مختار بنا دیا ہے۔ اور

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○

ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا۔

اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ حوض کوثر کی وسعت ایک ماہ کے سفر کے برابر ہوگی۔ اس کا پانی دودھ سے سفید تر اس کی خوشبو مشک سے نفیس تر۔ اس کے کوزے ستارہائے آسمان سے روشن تر ہوں گے۔ ایک دفعہ پانی پی لینے کے بعد دوسری بار پیاس محسوس نہ ہوگی۔ حوض کی وسعت و طوالت کے متعلق مختلف احادیث آئی ہیں۔ اور اس میں مخاطبین کا اپنا طرز پیمائش ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اہل یمن کو بتایا گیا۔

صنعاء الی عدن یعنی حوض کوثر یمن کے شہر صنعا سے لے کر عدن تک ہو گی۔

شام والوں کو اس کی وسعت کا اور انداز سے بیان فرمایا۔ ہر شخص کے سامنے اس کی وسعت اور طوالت کو اس پیمانہ سے بیان فرمایا گیا جس سے وہ واقف اور آشنا تھا۔

بعض احادیث میں اس کی وسعت کو وقت کے حساب سے بیان فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ حوض کی وسعت ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہو گی۔ ان تمام روایات سے اصل مقصود یہ ہے کہ حوض کوثر کی وسعت اور عظمت کی وضاحت کی جائے۔

بعض علماء نے کہا ہے۔ کہ قیامت کے دن ہر پیغمبر کو اس کے حسب مراتب و شان حوض

کوثر دیا جائے گا۔

قرطبیؒ بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام کے پاس دو حوض ہوں گے۔ دونوں کے نام کوثر ہی ہوں گے۔

امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ساقی حوض کوثر ہوں گے۔ آج جو ان کی محبت میں بیزب اور ان کے دیدار کا پیاسہ نہیں ہے۔ اس کے لیے مشکل ہے کہ وہ حوض کوثر سے پانی پی سکے۔ ایسی روایات بہت ملتی ہیں۔ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کے دل میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت نہیں۔ آپ کوثر سے اس کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا۔

—پل صراط

پل صراط حق ہے۔ حق تعالیٰ قیامت کے دن دوزخ کی پشت پر ایک راستہ بنائیں گے جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز تر ہوگا۔ اور تمام مخلوقات کو حکم دیا جائے گا۔ کہ اس پر سے گذریں۔ بہشت والے اسے عبور کر جائیں گے اور بہشت میں پہنچیں گے۔ بعض لوگ چمکتی ہوئی بجلی کی طرح گذریں گے۔ اور بعض تیز و تند ہوا کی طرح بعض سبک رفتار گھوڑے کی طرح غرضیکہ ہر شخص حسب مراتب اس راستے سے گذرتا رہے گا۔ دنیا میں دین اور انصاف کا راستہ اسی پل صراط کی تمثیل ہے۔

دوزخیوں کے پاؤں ڈگمگا جائیں گے۔ اور وہ دوزخ میں گر جائیں گے۔ قرآن پاک کا یہ ارشاد وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا اسی مسئلے پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ پل صراط پر سے گذرنا ہر ایک کے لیے عام ہے۔ حتیٰ کہ انبیاء کرام اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پل صراط سے گذریں گے۔

بعض اہل دل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پل صراط سے گذرنے میں یہ حکمت ظاہر کی ہے۔ کہ آپ اپنے بعض گنہگار امتیوں کو جو بدقسمتی سے دوزخ میں گرفتار ہوں گے۔ جمال باکمال سے ایام فراق کی غمگساری فرمائیں گے۔ ایک روایت میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کے عموم سے مخصوص ہیں۔ آپ کھڑے ہوں گے اور دیکھتے رہیں گے تاکہ ساری امت آپ کے سامنے سے گذرے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ

آگ سے گذریں تو وہ بھی اہل ایمان کے لیے گلستان بن جائے گی۔ ایک عام مومن کے گذرنے سے آگ فریاد کرکے کہے گی ۔

جُز یا مؤمن فانّ نورک اطفأ لهبی۔

اے مومن جلدی سے گذر و۔ تمہارے نور ایمان نے میرے شعلوں کو مدھم کر دیا ہے ۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نور الانوار المومنین ہیں ۔کے سامنے آگ کی کیا حقیقت ہو گی ۔ آپ کے نور نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ فرما کر کس طرح آگ کو گلزار بنا دیا ۔ اور جب وہ نور مجسم بے واسطہ خود تشریف لائیں گے ۔ تو اس کا کیا اثر نہ ہو گا ۔

شفاعت رسول اللہ

انبیاء کرام اولیائے عظام صلحائے امت علمائے دین اور ملائکہ مقربین کو بارگاہِ الٰہی میں جو عزت وآبرو حاصل ہے اس کے پیش نظر گنہگاروں کے لیے ان کا مغفرت چاہنا برحق ہے ۔سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کا دروازہ کھلوائیں گے ۔جس سے سب کو معلوم ہو جائے گا ۔کہ حضور بارگاہ الٰہی میں کس قدر محترم اور مکرم ہیں ۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا ۔کہ آپ اس خاص دن کے لیے کتنے جاہ وجلال کے مالک ہیں ۔جب ساری دنیا کے انسان خوف اور وحشت کی وجہ سے میدان حشر میں حیران و پریشان ہوں گے ۔ اور آرزو کریں گے کہ کوئی ایسا شفیع ہو جو انہیں عذاب سے نجات دلائے اور اس پریشانی کا مداوا بن جائے ۔سب سے پہلے یہ لوگ حضرت آدم صفی اللہ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ نسل انسانی کے باپ ہیں ۔خداوند تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا تھا ۔بہشت میں بہترین جگہ دی تھی ۔ مسجود ملائکہ بنایا ۔ تمام اشیاء کے اسماء سکھا دیئے ۔ آپ اس مشکل دن میں ہماری شفاعت کریں ۔حضرت آدم فرمائیں گے کہ اس مقام پر کھڑے ہونا اور بارگاہ ایزدی میں آج کے دن دم مارنا میری طاقت سے باہر ہے ۔ مجھے ابھی تک دانہ گندم کی یا شجرۂ ممنوعہ کی شرمندگی سر اٹھانے نہیں دیتی ۔ میں خدا کے فرمان کے باوجود خطا کا مرتکب ہوا ۔تمہارا یہ کام شاید حضرت نوح سے بن پڑے ۔ لوگ حضرت نوح کے پاس آئیں گے اور حضرت نوح انہیں حضرت ابراہیم کی طرف جانے کا مشورہ دیں گے ۔حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ کے پاس ۔ وہ حضرت عیسیٰ کی طرف پہنچنے کی سفارش کریں گے ۔

یہ اولوالعزم رسول اپنی ان غلطیوں سے شرمسار ہوں گے۔ جو زندگی میں ان سے سرزد ہوئیں۔ اور کوئی بھی اس مقام کی وحشت سے آگے بڑھنے کی جرات نہ کر سکے گا حتیٰ کہ ساری مخلوق حضرت خاتم الانبیاء، سید الرسل شفیع روز محشر و مکرم بخطاب لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ہیں۔ کی بارگاہ میں آئیں گے اور اپنا حال بیان کریں گے۔ آپ اٹھیں گے اور بارگاہ رب العزت کے سراپردہ جلال میں آئیں گے۔ اور وہ مقام محمود جس کا دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا۔

عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝

آپ کے بغیر اس مقام پر کسی کا کھڑا ہونا ممکن نہیں۔ آپ اٹھیں گے۔ اور سجدے میں گر گر جائیں گے۔ حکم ہوگا کہ سجدہ سے سر اٹھائیے آپ جو کچھ چاہتے ہیں پورا کر دیا جائے گا۔ جو کچھ کہیں گے اسے مانا جائے گا۔ آپ سجدے سے سر اٹھا کر اپنی زبان پاک سے خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا کہیں گے اور گنہگاروں کو بخشنے کی شفاعت کریں گے۔ پھر سجدے میں جائیں گے اور دوسری قسم کے گنہگاروں کو بخشنے کی شفاعت کریں گے اور تیسری دفعہ سجدے سے اس وقت سر اٹھائیں گے۔ جب ہر قسم کے گناہ گار بخش دیئے جائیں گے اور کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔ بجز ان لوگوں کے جن لوگوں کے متعلق قرآن پاک میں ہمیشہ کے لیے دوزخ کی آگ قسمت کر دی گئی ہے۔ یعنی کافر مشرکین اور منکرین۔

اسی مضمون پر بخاری اور مسلم میں صحیح حدیث مذکور ہے کہ ہر گنہگار کو شفاعت کی احتیاج ہوگی۔ اور صرف وہی گنہگار رہ جائیں گے جو دوسرے انبیاء کی امتوں سے مخصوص ہیں یا دوسروں کو اللہ کے دربار میں شفاعت کرنے کی اجازت ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کے بعد کوئی گنہگار باقی نہ رہے گا۔ مگر وہ لوگ جن میں سوائے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ذرہ برابر بھی نیکی نہیں ہے۔ وہ سراسر معصیت اور گناہ میں مبتلا ہیں ان کے لیے بھی شفاعت کی اجازت چاہیں گے۔ بارگاہ رب العزت سے حکم ہوگا کہ یہ بھی میرے خاص لوگ ہیں۔ ان کے لیے میں خود ہی شفاعت کرتا ہوں۔ اور انہیں دوزخ کی آگ سے نکالتا ہوں۔ [1]

[1] امام احمد بسند صحیح اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور ابن ماجہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

خُيِّرْتُ بَيْنَ الشَّفَاعَةِ وَبَيْنَ اَنْ يَّدْخُلَ شَطْرُ اُمَّتِي الْجَنَّةَ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ لِاَنَّهَا اَعَمُّ وَاَكْفٰى اَتَرَوْنَهَا لِلْمُؤْمِنِيْنَ الْمُتَّقِيْنَ لَا وَلٰكِنَّهَا لِلْمُذْنِبِيْنَ الْخَاطِئِيْنَ۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ یا تو شفاعت لو یا یہ کہ تمہاری آدھی امت جنت میں جائے میں نے شفاعت لی۔ کہ وہ زیادہ تمام اور زیادہ کام آنے والی ہے۔ کیا تم یہ سمجھ لیے ہو کہ میری شفاعت پاکیزہ مسلمانوں کے لیے ہے۔ نہیں بلکہ وہ ان گناہ گاروں کے واسطے ہے۔ جو گناہوں میں آلودہ اور سخت کار ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

ابن عدی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

شَفَاعَتِيْ لِلْهَالِكِيْنَ مِنْ اُمَّتِيْ۔

میری شفاعت میرے ان امتیوں کے ہے۔ جنہیں گناہوں نے ہلاک کر ڈالا۔ حق ہے۔ اے شفیع میرے میں قربان تیرے صلی اللہ علیک۔

ابوداؤد و ترمذی و ابن حبان و حاکم و بیہقی بافادہ تصحیح حضرت انس بن مالک اور ترمذی و ابن ماجہ ابن حبان و حاکم حضرت جابر بن عبداللہ اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس اور خطیب بغدادی حضرت عبداللہ بن عمر فاروق و حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ۔

میری شفاعت میری امت میں ان کے۔ لیے ہے۔ جو کبیرہ گناہ والے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم والحمد للہ رب العالمین۔

دے گی کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ اور دوسرے سارے طفیلی ہوں گے قران

ابو بکر احمد بن علی بغدادی حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور

شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الذُّنُوْبِ مِنْ اُمَّتِیْ۔

میری شفاعت میرے گنہگار امتیوں کے لیے ہے۔ ابو دردا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

عرض کی وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ۔ اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو فرمایا:

وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ دَرْدَاءِ۔

اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو برخلاف خواہش ابو درداء کے۔

طبرانی و بیہقی حضرت بریدہ اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ

عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِنِّیْ لَاَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ لِاَکْثَرَ مِمَّا عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ مِنْ شَجَرٍ وَّ حَجَرٍ وَّ مَدَرٍ

یعنی روئے زمین پر جتنے پیڑ پتھر ڈھیلے ہیں۔ میں قیامت میں ان سب سے زیادہ آدمیوں

کی شفاعت فرماؤں گا۔

بخاری مسلم حاکم بیہقی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

وَاللَّفْظُ لِھٰذَیْنِ۔

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

شَفَاعَتِیْ لِمَنْ شَہِدَ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصًا یُصَدِّقُ لِسَانُہٗ قَلْبَہٗ

میری شفاعت ہر کلمہ گو کے لیے ہے۔ جو سچے دل سے کلمہ پڑھے۔ کہ زبان کی تصدیق

دل کرتا ہوں۔

احمد طبرانی و بزار حضرت معاذ بن جبل و حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ

عنہما سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِنَّھَا اَوْسَعُ لَھُمْ ھِیَ لِمَنْ مَّاتَ وَلَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا۔

شفاعت میں امت کے لیے زیادہ وسعت ہے کہ وہ ہر شخص کے واسطے ہے۔ جس

پاک کا ارشاد ہوتا ہے ۔

کا خاتمہ ایمان پر ہو ۔

طبرانی معجم اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

اٰتِیْ جَھَنَّمَ فَاَضْرِبُ بَابَھَا فَیُفْتَحُ لِیْ فَاَدْخُلُھَا فَاَحْمَدُ اللّٰہَ مَحَامِدًا مَا حَمِدَہٗ اَحَدٌ قَبْلِیْ مِثْلَہٗ وَلَا یَحْمَدُہٗ اَحَدٌ بَعْدِیْ مِثْلَہٗ ثُمَّ اُخْرِجُ مِنْھَا مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصًا ۔

میں جہنم کا دروازہ کھلوا کر تشریف لے جاؤں گا ۔ وہاں خدا کی تعریفیں کروں گا ۔ ایسی کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے کیں نہ میرے بعد کوئی کرے ۔ پھر دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال لوں گا جس نے خالص دل سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا ۔

حاکم بافادہ تصحیح اور طبرانی و بیہقی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

یُوْضَعُ لِلْاَنْبِیَاءِ مَنَابِرُ مِنْ ذَھَبٍ فَیَجْلِسُوْنَ عَلَیْھَا وَیَبْقٰی مِنْبَرِیْ وَلَمْ اَجْلِسْ لَا اَزَالُ اُقِیْمُ خَشْیَۃَ اَنْ اُدْخَلَ الْجَنَّۃَ وَیَبْقٰی اُمَّتِیْ بَعْدِیْ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ یَا مُحَمَّدُ وَمَا تُرِیْدُ اَنْ اَصْنَعَ بِاُمَّتِکَ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ عَجِّلْ حِسَابَھُمْ فَمَا اَزَالُ حَتّٰی اُعْطٰی قَدْ بُعِثْتُ بِھِمْ اِلَی النَّارِ وَحَتّٰی اَنَّ مَالِکًا خَازِنَ النَّارِ فَیَقُوْلُ یَا مُحَمَّدُ مَا تَرَکْتَ لِغَضَبِ رَبِّکَ فِیْ اُمَّتِکَ مِنْ بَقِیَّۃٍ ۔

انبیاء کے لیے سونے کے منبر بچھائے جائیں گے ۔ وہ ان پر بیٹھیں گے اور میرا منبر باقی رہے گا ۔ کہ میں اس پر جلوس نہ فرماؤں گا ۔ بلکہ اپنے رب کے حضور سروقد کھڑا رہوں گا ۔ اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے جنت میں بھیج دے اور میری امت میرے بعد رہ جائے پھر عرض کروں گا ۔ اے رب میرے میری امت ، میری امت ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ۔ اے محمد تیری کیا مرضی ہے ۔ میں تیری امت کے ساتھ کیا کروں ۔ عرض کروں گا ۔ اے رب میرے ان کا حساب جلد فرما دے ۔ پس میں شفاعت کرتا رہوں گا ۔ یہاں تک کہ مجھے

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۔

ان کی رہائی کی چٹھیاں ملیں گی جنہیں دوزخ بھیج چکے تھے ۔ یہاں تک کہ مالک داروغہ دوزخ عرض کرے گا ۔ اے محمد آپ نے اپنی امت میں رب کا غضب نام کو نہ چھوڑا ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَبَارِكْ عَلَیْہِ وَسَلِّمْ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

بخاری و مسلم و نسائی حضرت جابر بن عبداللہ اور احمد بسند حسن اور بخاری تاریخ میں اور بزار و طبرانی و بیہقی و ابو نعیم حضرت عبداللہ ابن عباس اور احمد بسند حسن و بزار بسند جید و دارمی و ابن شیبہ و ابو یعلیٰ و ابو نعیم و بیہقی حضرت ابوذر اور طبرانی معجم اوسط میں بسند حضرت ابو سعید خدری اور کبیر میں حضرت سائب بن یزید اور احمد باسناد حسن اور ابن شیبہ و طبرانی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی ۔

وَاللَّفْظُ لِجَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اُعْطِیْتُ مَا لَمْ یُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِیْ اِلٰی قَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاُعْطِیْتُ الشَّفَاعَۃَ ۔

ان چھوؤں حدیثوں میں یہ بیان ہے کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ میں شفیع مقرر کر دیا گیا ۔ اور شفاعت خاص مجھی کو عطا ہوگی ۔ میرے سوا کسی نبی کو یہ منصب نہ ملا ۔

ابن عباس و ابو سعید و ابو موسیٰ سے انہیں حدیثوں میں وہ مضمون بھی ہے ۔ نیز احمد و بخاری و مسلم نے انس اور شیخین نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ۔ رضی اللہ عنہم اجمعین کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔

اِنَّ لِكُلِّ نَبِیٍّ دَعْوَۃً قَدْ دَعَا بِھَا فِیْ اُمَّتِہٖ وَاسْتُجِیْبَ لَہٗ وَھٰذَا اللَّفْظُ لِلْاَنَسِ وَلَفْظًا لِاَبِیْ سَعِیْدٍ ۔ لَیْسَ مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَقَدْ اُعْطِیَ دَعْوَۃً فَتَعَجَّلَھَا (و لفظ ابن عباس) لَمْ یَبْقَ نَبِیٌّ اِلَّا اُعْطِیَ ... جَعَلْنَا لَفْظَ الْاَنَسِ وَاَلْفَاظُ الْاٰخَرِیْنَ كَمِثْلِہٖ مَعْنًی فَاِنِّیْ وَاِنِّی اخْتَبَاْتُ دَعْوَتِیْ شَفَاعَۃً لِاُمَّتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (زاد ابو موسیٰ) جَعَلْتُھَا لِمَنْ مَاتَ مِنْ اُمَّتِیْ لَا یُشْرِكُ بِاللّٰہِ شَیْئًا ۔

اے محمدؐ۔ اے محب من۔ اے محبوب من۔ اے مطلوب من۔ اے بندہ خاص من۔ میں آپ کو

یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اگرچہ ہزاروں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ مگر ایک دعا انہیں خاص جناب باری وتبارک وتعالیٰ سے ملتی ہے۔ جو کہ چاہو مانگ لو۔ بے شک دیا جائے گا۔ تمام انبیاء آدم سے عیسیٰ تک علیہم الصلوٰۃ والسلام سب اپنی اپنی وہ دعا دنیا میں کرچکے۔ اور میں نے آخرت کے لیے اٹھا رکھی وہ میری شفاعت ہے میری امت کے لیے قیامت کے دن میں نے اسے اپنی ساری امت کے لیے رکھا ہے۔

جو ایمان پر دنیا سے اٹھی۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِجَاھِہٖ عِنْدَکَ۔ اٰمِیْن۔

اللہ اکبر۔ اے گنہگاران امت کیا تم نے اپنے مالک ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ کمال رافت ورحمت اپنے حال پر نہ دیکھی کہ بارگاہ الٰہی عزجلالہ سے تین سوال حضور کو ملے۔ جو چاہو مانگ لو۔ عطا ہوگا۔ حضور نے ان میں کوئی سوال اپنی ذات پاک کے لیے نہ رکھا۔ سب تمہارے ہی کام میں صرف فرمادیئے۔ دو سوال دنیا میں کیے۔ وہ بھی تمہارے ہی واسطے۔ تیسرا آخرت کو اٹھا رکھا۔ وہ تمہاری اس عظیم حاجت کیواسطے جب اس مہربان مولےٰ رؤف ورحیم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی کام آنے والا۔ بگڑی بنانے والا نہ ہوگا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حق فرمایا۔ حضرت حق عزوجل نے:

عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ۔

واللہ العظیم قسم اس کی جس نے انہیں آپ مہربان کیا۔ کہ ہرگز ہرگز کوئی ماں اپنے عزیز پیارے اکلوتے بیٹے پر زنہار اتنی مہربان نہیں۔ جس قدر وہ ایک اپنے امتی پر مہربان ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الٰہی تو ہمارا عجز وضعف اور ان کے حقوق عظیمہ کی عظمت جانتا ہے۔ اے قادر۔ اے واجد۔ اے ماجد ہماری طرف سے ان پر اور ان کی آل پر وہ برکت والی درودیں نازل فرما جو ان کے حقوق کو وافی ہوں۔ اور ان کی رحمتوں کو مکافی۔

اس قدر نعمتیں دوں گا اور اس قدر رحمتیں نازل کروں گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ آپ کے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ قَدْرَ رَأْفَتِهٖ وَرَحْمَتِهٖ بِاُمَّتِهٖ وَقَدْرَ رَأْفَتِكَ وَرَحْمَتِكَ بِهٖ اٰمِيْن اٰمِيْن اِلٰهَ الْحَقِّ اٰمِيْن۔

سبحان اللہ امتیوں نے ان کی رحمتوں کا یہ معاوضہ رکھا کہ کوئی افضیلت میں تشکیکیں نکالتا ہے۔ کوئی ان کی شفاعت میں شبہ ڈالتا ہے۔ کوئی ان کی تعریف اپنی سی جانتا ہے۔ کوئی ان کی تعظیم پر بگڑ کر کرتا ہے۔ افعال محبت کا بدعت نام اجلال وادب پر پر شرک کے احکام۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

صحیح مسلم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تین سوال عطا فرمائے۔ میں نے دوبار تو دنیا میں عرض کرلی۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِيْ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِيْ۔

الٰہی میری امت کی مغفرت فرما۔ الٰہی میری امت کی مغفرت فرما۔

وَاَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَّرْغَبُ اِلَيَّ فِيْهِ الْخَلْقُ حَتّٰى اِبْرَاهِيْمُ۔

اور تیسری عرض اس دن کے لیے اٹھا رکھی جس میں تمام مخلوق الٰہی میری طرف نیازمند ہو گی۔ یہاں تک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

بیہقی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب اسریٰ اپنے رب سے عرض کی تو نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ یہ فضائل بخشے رب عزمجدہ نے فرمایا۔

اُعْطِيْتُكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ (اِلٰى قَوْلِهٖ) خَبَأْتُ شَفَاعَتَكَ وَلَمْ اَخْبَأْهَا لِنَبِيٍّ غَيْرِكَ۔

دل کی کوئی بھی آرزو ناتمام نہ رہے گی۔ اے محمد ہر شخص میری رضا تلاش کرتا ہے۔ میں آپ کی رضا

میں نے تجھے عطا فرمایا وہ ان سب سے بہتر ہے۔ میں نے تیرے لیے شفاعت چھپا رکھی۔ اور تیرے سوا دوسرے کو نہ دی۔

ابی شیبہ و ترمذی بافادہ تحسین و تصحیح اور ابن ماجہ و حاکم بحکم تصحیح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

وَاِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ کُنْتُ اِمَامَ النَّبِیِّیْنَ وَخَطِیْبَھُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِھِمْ غَیْرَ فَخْرٍ

قیامت کے دن میں انبیاء کا پیشوا اور ان کا خطیب اور ان کا شفاعت والا ہوں گا اور یہ کچھ فخر کی راہ سے نہیں فرماتا۔

ابن منیع حضرت زید بن ارقم وغیرہ چودہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے راوی حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِھَا لَمْ یَکُنْ مِنْ اَھْلِھَا۔

میری شفاعت روز قیامت حق ہے جو اس پر ایمان نہ لائے گا۔ اس کے قابل نہ ہوگا۔ منکر مسکین اس حدیث متواتر کو دیکھے اور اپنی جان پر رحم کرکے شفاعت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

ماخوذ از سماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین ۱۳۰۵ھ

کا خواہاں ہوں۔ آپ فرمائیں گے۔ میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میری امت کا
ایک بھی گنہگار بغیر بخشش کے رہے گا۔

علمائے دین کہتے ہیں کہ آیت کریمہ۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت سے مخصوص ہے۔ جب کہ قوم نوح کے لیے یوں خطاب
فرمایا گیا۔

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ ۔

اللہ تعالیٰ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے گا۔

نحو کے قاعدے میں لفظ "من" افادہ بعضیت کا اظہار کرتا ہے۔ یعنی بعض ذنوبکم سے مراد
کہ اللہ کا فضل ان پر شامل حال ہوگا۔ لیکن ان کے بعض گناہوں پر عدل و انصاف سے بھی کام
لیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ رب غفور کی رحمت ہی گناہ گاروں کے لیے امید و بشارت بہم پہنچاتی
ہے۔ کیونکہ مہمان عزیز ہوگا۔ اس لیے مہمان کے طفیلی بھی عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے

ے نومید نہ باشی گرت آں یار براند
گرت امروز براند نہ کہ فردات نخواند

تو اس کی امت بن جا۔ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے۔ تمام مشکلات آسان ہو جائیں
گی۔ یہ مشکل اس لیے ہے کہ ابھی تک درست نسبت قائم نہیں ہو سکی۔ جب نسبت قائم ہو جائے
گی۔ تو اس کے لیے کوئی مشکل نہ رہے گی۔ صد ہزار گناہ ایمان مصطفیٰ کے پہلو میں پرکاہ کی حیثیت
نہیں رکھتے۔ اگر انسان کے دل میں نور ایمان ہو تو ظلمت معصیت اس دل میں نہیں آسکتی۔ جسے
غم ایمان ہے اسے دنیا کا کوئی غم نہیں۔

سفیان ثوریؒ کو دیکھا کہ ساری رات روتے گذر گئی۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیوں روتے رہے
خوش رہا کرو۔ آپ کی گردن پر گناہوں کا بوجھ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ گناہ اگر پہاڑ کی طرح بھی آ
جائیں تو اللہ کی رحمت کے سامنے پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتے۔ مجھے رونا اس بات کا ہے۔ کہ
ایمان سلامت لے جا سکوں گا یا نہیں۔

ایماں چو سلامت بلب گور بریم
احسنت بریں چستی و چالاکی

مقاماتِ شفاعت

شفاعت کے متعلق چند نکتے ابھی تک تشنۂ بیان ہیں۔ یہ بات دل نشین کر لینی چاہیئے۔ کہ شفاعت کے متعدد مقامات ہیں۔ پہلے موقف میں یعنی میدان حشر میں اس مقام پر بڑی ہی ہیبت اور دہشت ہوگی۔ لوگ کھڑے کھڑے سخت اذیت اور شدت اٹھائیں گے۔ یہاں ان شدتوں کو کم کرنے کے لیے شفاعت ہوگی۔ دوسرے سوال اور حساب پیش ہونے کے وقت شفاعت سے آسانیاں پیدا کی جائیں گی۔ تاکہ کوئی مناقشہ نہ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ۔

مَنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ فَقَدْ عُذِّبَ

جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا۔ وہ عذاب میں گرفتار کیا گیا۔ تیسرے عذاب کے احکام جاری ہوتے وقت شفاعت کی جائے گی تاکہ قصور معاف فرمائے جائیں۔ چوتھے دوزخ کی آگ سے نکالتے وقت شفاعت کی جائے گی۔ تاکہ مزید معافی مل سکے۔ پانچویں جنت میں درجے بلند ہونے اور زیادہ ثواب دینے کے لیے بھی شفاعت ہوگی۔ جیسے کہ کسی مجرم کو بادشاہ کے سامنے لایا جائے وہ بارگاہ میں کھڑا ہوتے ہوئے ہیبت زدہ ہو جائے اور بارگاہ کا کوئی مقرب اٹھ کر سفارش کر دے اور بادشاہ حکم دے کہ اس مجرم کو بٹھا دیں۔ اور نرمی سے سوالات کریں۔ پھر کوئی اٹھ کر سفارش کرے اور بادشاہ حکم فرمائیں کہ اس سے حساب نہ لو اور اگر لینا ہی ہے تو نہایت شفقت سے گفتگو کی جائے بعض دفعہ یوں ہوتا ہے۔ کہ ثبوت گناہ کے بعد قید خانہ میں بھیجنے کا اعلان کر دیا جاتا ہے لیکن شفاعت کی وجہ سے اسے واپس لے لیا جاتا ہے۔ اور کبھی جیل میں بھیجنے اور عذاب کرنے کے بعد طویل قید سے رہائی دے دی جاتی ہے۔ اور بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ جیل سے نکالتے ہی کوئی منصب عطا کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے ہر گنہگار کو یہ امید رکھنی چاہیئے کہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اعلیٰ مناصب اور قرب و درجات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کی شفاعت کرنے کے مجاز ہیں۔ اور کسی اہل دل نے کیا خوب کہا ہے

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو   کہ مستحق کرامت گناہگارانند

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تمام امت کے لیے عام ہوگی۔ بلکہ ساری مخلوقات کے لیے یہ شفاعت کی جائے گی۔ چنانچہ خاص کر مدینے والوں کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کی زائرین کے لیے اور حضور پہ کثرت سے درود پاک پڑھنے والوں کے لیے یہ شفاعت خصوصیت کے ساتھ کی جائے گی۔

محققین نے شفاعت کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ رحمت خداوندی کے انوار کی شعاعیں سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر انعکاس کرتی ہیں۔ اور آپ کے مقابلے اور نزدیک جتنے بھی دل ہوتے ہیں۔ ان پر بھی ان کا عکس پڑتا رہتا ہے۔ جس طرح آفتاب کی روشنی کا عکس پانی پر پڑتا ہے۔ اور اس عکس سے جو چمک پانی میں پیدا ہوتی ہے اس کا عکس دیوار پر پڑتا ہے۔ تو پانی کی سطح کے مقابل ہو چنانچہ اشرف مقابلہ اور محاذات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دلوں کو متوجہ کرنے اور آپ کی اتباع کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس عکس کے حصول کا سب سے مضبوط ترین سنت نبوی کی اتباع کو قرار دیا گیا ہے۔ جس قدر مطابعت قوی ہوگی۔ اسی قدر عکس زیادہ پڑے گا۔

مگر درجات تو شفاعت کے کئی ہیں۔ اور گناہوں کی بخشش کے لیے ایمان کا کامل ہونا شفاعت کی ضمانت ہے۔ اس ضمن میں کثرت درود پاک بر سید لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی موثر ترین چیز ہے۔

جنت و دوزخ

جنت و دوزخ کا بیان جس طرح آیات و احادیث میں آیا حق ہے۔ جنت اور دوزخ کے متعلق مختلف علمائے کے اقوال پائے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ جنت آسمان پر ہوگی۔ یا تو آسمان چہارم ہوگی یا ہفتم پر۔ لیکن آگ زمین کے نیچے ہوگی۔

ایک قول کے مطابق دوزخ بھی آسمان پر ہوگی۔

علمائے کرام کے ایک طبقہ نے ان مقامات کے بیان کرنے میں توقف سے کام لیا ہے۔ ان

کے نزدیک ان مقامات کے متعلق کوئی صریح نص نہیں پائی جاتی۔ ان مقامات کو اللہ ہی جانتا ہے۔ شرح مقاصد میں لکھا ہے۔ کہ جنت و دوزخ کے مقامات کے متعلق کوئی قطعی نص نہیں ہے۔ لیکن اکثر علمائے کرام کی رائے ہے۔ کہ بہشت ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہوگی۔ اور دوزخ ساتویں زمین کے نیچے ہوگی۔ مشکل بات یہ ہے کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ کہ:

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔

جنت کا عرض آسمان وزمین کی پہنائیوں کے برابر ہوگا۔ جب جنت کی وسعت کا یہ عالم ہو۔ تو اس کا زمین یا آسمان پر مکان متعین کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب مفسرین نے یوں دیا ہے۔ کہ جنت کا عرض جب آسمان وزمین کے برابر ہوگا۔ زمین و آسمان آپس میں جڑے ہوں۔ مگر امر واقعہ ایسا نہیں۔ سب توجیہات سے بہترین توجیہ یہ ہے کہ چونکہ عقل انسانی کے سامنے آسمان وزمین سے کوئی چیز بھی وسیع تر اور عریض تر نہیں ہے۔ لہذا جنت کی وسعت کا مبالغہ بیان کرنے کے لیے زمین و آسمان کی تمثیل پیش کی گئی ہے۔ اس کی حدود متعین کرنا مقصود نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنت کی وسعت خداوند تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ جنت کا ایک چھوٹا سا گھر زمین و آسمان کی وسعتوں کے برابر اور زیادہ ہو سکتا ہے۔

اعراف

اعراف اس مقام کو کہا جاتا ہے۔ جو جنت و دوزخ کے درمیان ہے۔ نہ اس میں جنت کی راحت ہوگی۔ اور نہ دوزخ کی سی شدتِ تکلیف۔ اعراف کا وجود صحیح نقل اور قطعی نص سے ثابت نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بچوں اور ان لوگوں کے لیے جن کی زندگی میں نزول وحی نہیں ہوئی۔ اعراف میں رکھنے کا اعلان فرمایا ہے۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ اعراف کا وجود حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اور علماء کرام بھی اس کے قائل نہیں ہیں۔ قرآن پاک کی یہ آیت:

وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ۔

اس سے جنت و دوزخ کی دیواروں اور بلندیوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو جنت و دوزخ کے درمیان واقعہ ہیں۔ اور رجال سے پیغمبر اور شہداء اور نیک مومن علمائے کرام اور فرشتے مراد

ہیں۔ جنتی اور دوزخی ان کی پیشانی کے نشانات سے پہچانے جائیں گے۔ اور خطاب فرمائیں گے۔

وَهُمَا مَخْلُوْقَتَانِ مَوْجُوْدَتَانِ۔

دوزخ اور جنت پیدا ہو چکے ہیں۔ اور اب بھی موجود ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ قیامت کے دن پیدا کیے جائیں گے۔ حضرت آدم اور حضرت حوا کا واقعہ جنت کے قیام و وجود میں بڑی پختہ دلیل ہے۔

بَاقِيَانِ وَلَا يَفْنَيَانِ وَلَا يَفْنٰى اَهْلُهُمَا۔

بہشت اور دوزخ۔ اہل بہشت اور اہل دوزخ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اور باقی رہیں گے۔ جب سب لوگ ایک دفعہ مر گئے پھر زندہ ہو کر ابد تک زندہ رہیں گے۔ جنت و دوزخ میں کسی کو موت نہیں آئے گی۔ اسی واسطے فرمایا گیا۔

وَخَلَقْنٰكُمْ لِلْاَبَدِ۔

میں نے تمہیں ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا ہے۔

قیامت کے متعلقات

حضور علیہ السلام نے قیامت کے متعلق جتنی کیفیتیں بیان فرمائی ہیں۔ وہ سب برحق ہیں۔ جو خبریں مخبر صادق حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے علامات کے سلسلے میں بیان فرمائی ہیں۔ وہ ساری کی ساری حق ہیں۔ سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا۔ توبہ کا دروازہ بند ہونا۔ دجال اور دابۃ الارض کا نمودار ہونا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر سے اترنا[1] اور ظہور

[1] تمام اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے نزدیک دنیا پر تشریف لائیں گے۔ دجال کو قتل کریں گے۔ احادیث میں اس عقیدے کی وضاحت کی گئی ہے اس کے برخلاف چودھویں صدی میں ایک فرقہ مرزا قادیان کا پنجاب میں پیدا ہوا۔ اس نے جھوٹا دعویٰ کیا کہ خود عیسیٰ علیہ السلام نہیں آویں گے وہ فوت ہو چکے ہیں۔ انکا مثیل مرزا غلام احمد قادیانی پیدا ہوا ہے۔ علمائے کرام نے صدہا کتابوں سے اس کے اس دعویٰ کا رد کیا۔ اب کئی سال سے مرزا غلام احمد قادیانی مر گیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے ارشاد نبوی کے مطابق بذات خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔ اور امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ (محمد مشتاق احمد چشتی حنفی چشتی مترجم تکمیل الایمان صفحہ نمبر ۳۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ)

کا پھونکا جانا۔ اور اس کے علاوہ تمام حالات قیامت کا برپا ہونا۔ حتیٰ کہ جنت میں داخل ہونے تک ساری باتیں حضور علیہ السلام نے بیان فرما دی ہیں۔ حضور صلی اللہ وسلم کی ہر خبر اور حکم ہی سچا اور برحق ہے یہاں ہم نے اجمالی طور پر چند چیزیں لکھ دی ہیں۔ مگر تفصیلی طور پر احادیث کی کتابوں میں ساری خبریں موجود ہیں۔

ایمان بالقلب تصدیق بالایمان

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور صلی اللہ وسلم کی رسالت کا قلبی طور پر یقین کرنے کا نام ایمان ہے۔ اور ان دونوں چیزوں کا زبان سے اقرار کرنا بھی ضروری ہے۔ دل سے یقین کرنا ایمان کی حقیقت ہے۔ اور زبان سے تصدیق کرنا ایمان کی علامت ہے۔ کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے اور زبان کے اقرار کے بغیر دل کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ ظاہری احکام کا جاری کرنا زبان ہی کا کام ہے۔ اگر کوئی انسان گونگا ہو۔ یا کوئی شخص زبردستی سے کوئی کلمہ کفر کہلائے۔ مگر اس کے دل میں ایمان ہو۔ مگر قلبی یقین کے باوجود اسے زبانی اقرار کی فرصت نہیں ملی اور اس سے پہلے ہی موت نے آلیا۔ تو ایسی صورت میں زبانی اقرار شرط ایمان نہیں۔

اہل حدیث کے نزدیک ایمان تصدیق بالقلب اور اقرار بلسان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ الایمان تصدیق بالقلب و اقرار باللسان میں یہی بات ہے۔ ایمان اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ راستی کے ساتھ حضور علیہ السلام پر اعتقاد رکھا جائے۔ احکام پر عمل کیا جائے۔ اور زبان سے اعلان کیا جائے۔ ان تینوں کے بغیر ایمان ثابت نہیں ہو سکتا۔

اس نظریہ میں حقیقتاً کوئی خاص اختلاف نہیں ہے۔ ایمان کامل وہی ہے۔ جو وہ بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ ایمان بے عمل ناقص ہوتا ہے۔ لیکن اصل ایمان تو تصدیق بالقلب ہی ہے۔ ایمان اس درخت کی طرح جاننا چاہیے جس کا تنہ تصدیق ہے۔ اعمال و طاعات اسی تصدیق کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جس درخت کی ٹہنیاں۔ پتے پھل پھول اور برگ و بار نہ ہوں۔ حقیقت میں وہ درخت کہلانے کا مستحق نہیں ہے لیکن کارآمد درخت وہی ہوتا ہے۔ جس کے برگ و بار بھی ہوں۔ اسی طرح ایمان کامل وہی ہے۔ جو نیک اعمال کے برگ و بار سے پر رونق ہو۔ بے عمل ناقص ایمان ہوگا۔ ناقص ایمان کو بھی ایمان ہی کہا جائے گا۔ قرآن پاک میں ہر جگہ ایمان کے ۔ ۔ عمل صالحہ کو ملایا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ۔ اس آیۂ کریمہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصل ایمان کی تصدیق ہے ۔ اور عمل صالح جدا چیز ہیں ۔ اگر ایمان کو کامل کرنے والا یہی عنصر ہے ۔ اس کی مثال یوں ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ فلاں کے پاس یہ چیز بھی ہے ۔ اور وہ بھی ۔ اس سے یہ سمجھا جائے گا ۔ کہ اس کے پاس دونوں چیزیں ہیں ۔ مگر وہ دونوں جدا جدا ہیں ۔ چنانچہ دونوں کو ایک کہنا درست نہیں ۔ اور جو دونوں کو یکجا جمع کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں ۔

یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ نبی علیہ السلام کو صرف سچا نبی جان لینے کا نام ہی ایمان نہیں بلکہ دل سے اس کی تصدیق کرنا بھی ضروری ہے ۔ کیونکہ علم اور چیز ہے اور تصدیق اور چیز ہے تصدیق سے مراد اذعان اور قبول کر لینا ہے ۔ اسے فارسی میں "گرویدن" کہا جاتا ہے ۔ حقیقت میں دل رنگ قبول سے رنگا جاتا ہے ۔ اور نور یقین سے منور ہو جاتا ہے ۔ علم صرف جاننے کو کہتے ہیں ۔ تمام کفار عرب علی الخصوص ، اہل یہودی تو حضور علیہ وسلم کو سچا نبی جانتے تھے ۔ اور یہ علم اتنا مضبوط تھا ۔ جیسے کہ وہ اپنے بیٹے کو پہچان رہے ہوں ۔

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔

وہ (نبی علیہ السلام کو) ایسے پہچانتے ہیں ۔ جیسے اپنے بیٹوں کو ۔

حضور علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خبریں ۔ آپ کی صورت و سیرت ۔ علامات و خصائل ظہور و نشان مقام پیدائش یہودیوں کے کتابوں میں لکھا تھا ۔ ان کی زبانوں پر جاری تھا ۔ بہت سے یہودی اسی انتظار میں دنیا کے مختلف ممالک سے اٹھ کر مدینہ پاک میں آباد ہو گئے تھے ۔ اور اپنی عمر اسی شوق میں گذار دیں اور مرنے سے پہلے اپنی اولاد کو یہ وصیت کرتے رہے ۔ کہ اگر نبی آخر الزمان تشریف لائیں تو ہمارا سلام پہنچاؤ ۔ ہمارے اسلام لانے کی خواہش کا اظہار کرو ۔ غرضیکہ یہود سے بڑھ کر حضور کے متعلق کسی دوسرے فرقے کو علم نہ تھا ۔ مگر جب جب نبوت کا آفتاب جہانتاب طلوع ہوا ۔ یہودیوں کی شقاوتِ ازلی نے ان کی عقلوں پر پردے ڈال دیئے ۔ اور حسد و عناد سے حقیقت حال کو نہ پا سکے ۔ کفر و انکار کے گڑھوں میں گر گئے ۔ اور نجات کی ساری راہوں سے محروم ہو گئے ۔

اس سے یہ بات بھی سامنے آجاتی ہے ۔ کہ علم و عقل بجز عنایت الٰہی اور ہدایت خداوند

کسی کام نہیں آتے۔ اور اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا۔

انہوں نے ظلماً انکار کر دیا۔ غرور و حسد سے گمراہ ہو گیے۔ حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔

نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَا يَخْشَعُ۔

ہم اس علم سے پناہ مانگتے ہیں جو نفع نہ دے۔ اور اس دل سے جو خدا سے نہ ڈرے۔

؎ علمے کہ راہ بحق نہ نماید جہالت است

وَهُوَ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ

(ایمان میں کمی و بیشی نہیں ہوتی)

جب یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ ایمان کی حقیقت قلبی تصدیق کا دوسرا نام ہے۔ تصدیق قلبی تو ایک ہی ہوا کرتی ہے۔ اس میں تعدد کا دخل نہیں۔ تو پھر ایمان میں بیشی و کمی بھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کمی و بیشی بھی تو ایک عدد ہے۔ جس میں کثرت و تعدد پائی جاتی ہے۔ اگر تصدیق کے باوجود اعمال کو بھی داخل ایمان کر لیا جائے۔ تو پھر عمل کی زیادتی اور کمی کو بھی ایمان پر اثر انداز ہونا ماننا پڑے گا۔ چونکہ ایسا نہیں۔ پس یہ بات بھی نہیں۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول:

وَلَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ

بلا اشکال و انتباہ درست ہے۔ حقیقت میں یہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ اعمال ایمان کا حصہ نہیں ہیں۔ اور یہی اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے۔

ـــ ایمان اور اسلام

ایمان اور اسلام ایک ہی چیز ہے۔ لیکن ایمان کے مفہوم سے مراد تصدیق قلبی ہے۔ اور حال باطن ہے۔ اور اسلام ظاہری اعمال کے اتباع اور انقیاد کا دوسرا نام ہے۔ آیۃ کریمہ ملاحظہ ہو۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا۔

اعرابیوں نے کہا۔ ہم ایمان لائے۔ اے محمد آپ انہیں فرما دیں۔ تم ایمان تو نہیں لائے۔ (یعنی دل سے تصدیق نہیں کی) لیکن یہ کہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ یقیناً ظاہری احکام کے فرمانبردار ہے۔

اس حکم سے مراد یہ ہے کہ ہر مومن مسلمان ہے۔ اور ہر مسلمان مومن ہے۔ اس میں کسی قسم

کی مغایرت نہیں ہے۔

— اقرار ایمان بلفظ انشاء اللہ

علمائے کرام نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ کہ آیا یوں کہنا کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں درست ہے یا نہیں۔ علمائے احناف نے ایسا کہنے سے منع کیا ہے۔ مگر علمائے شافعیہ جائز قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ اگر انشاء اللہ سے مقصد کسی قسم کے شبہ یا تردد کا اظہار ہے۔ تو حنفیہ کا فیصلہ درست ہے۔ اور اگر اللہ کا نام تبرکاً یا تیمناً لیا گیا ہے۔ تو شافعیہ کا فیصلہ بھی درست ہے۔ مقصود یہ ہے کہ عجب و غرور دور کیا جائے۔ اور ان تمام شبہات کو ذہن سے دور رکھا جائے۔ کیونکہ شبہات و تردد ایمانی تصدیق کے منافی ہیں۔

اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ حَقًّا سے مراد یہی ہے۔ بلا شک و شبہ ایمان کا اقرار کیا جائے۔ غرضیکہ بعض وجوہ میں کلمہ انشاء اللہ کہنا درست ہے۔ مگر بہتر یہ ہے۔ کہ نہ کہا جائے۔ تاکہ شک و تردد کا احتمال بھی نہ ہونے پائے۔

— ایمان بالجبر

اِیْمَانُ الْبَاْسِ غَیْرُ مَقْبُوْلٍ۔

باس دراصل شدت اور عذاب کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد وہ عذاب و شدت ہے جو سکرات موت و معائنہ احوال آخرت سے پیدا ہوں۔ احادیث میں تواتر کے ساتھ یہ بات آئی ہے۔ کہ موت کے وقت ہر شخص کو اپنا مال نظر آجاتا ہے۔ مومن اپنی آنکھوں سے بہشت اور کافر دوزخ کو دیکھ لیتا ہے۔ اگر کافر ایسی حالت میں ایمان لائے گا۔ تو قابل اعتماد و اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ ایمان تو انسان کے غیب اور اختیار سے لانا چاہیئے۔ انسان کے قصد بہ امتثال امر۔ اور اطاعت فرمان الٰہی کا جزو دخل ہے۔ مگر ایسی حالت میں ایمان لانا ایمان بالغیب نہیں کہلاتا ہے۔ بلکہ اضطراری حالت میں ہوتا ہے۔ قیامت کے دن تمام کافر فریاد کریں گے۔

رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۔

اے اللہ۔ ہماری آنکھیں بینا ہوگئیں۔ کان سننے لگے ہیں۔ اور یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ تیرے پیغمبروں نے دنیا میں خبریں دیں۔ اور تیری کتابوں میں لکھا تھا۔ وہ درست تھا۔ ہمیں ایک بار پھر دنیا میں بھیج دے۔

تاکہ ہم ایمان لائیں ۔ اچھے کام کریں ۔ اور ثواب کے مستحق بنیں ۔

تمام اہل حق اس مسئلہ پر اتفاق رائے رکھتے کہ "ایمان باس" مقبول نہیں ہے ۔ حدیث پاک میں آیا ہے :

اِنَّ اللهَ یقبل توبة العبد مالم تغیرغرغرة

اللہ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے ۔ جب تک غرغرہ کی نوبت نہ آجائے ۔

غرغرہ موت کی حالت ۔ سکرات کی شدت ۔ اور روح کا حلق میں سختی سے پیدا ہونا ۔

قرآن پاک نے اسے یوں بیان فرمایا ہے ۔

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۔

یعنی باس وعذاب دیکھتے وقت ایمان لانا نفع بخش نہیں ہوتا ۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے : لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ ۔

ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو گناہ کرتے رہتے ہیں ۔ یہاں تک کہ موت ان کے سر پر آجاتی ہے ۔ اور کہتا ہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں ۔

اس آیت کے ساتھ یہ استدلال اور واضح ہوجاتا ہے ۔ پہلی آیت میں یہ احتمال ہے کہ رویت باس سے قیامت کی نشانیاں مراد ہیں ۔ جیسے مغرب سے آفتاب نکلنا ۔ بعض مفسرین نے اس آیت کو اسی انداز میں پیش کیا ہے ۔ اس آیت کریمہ سے یہ بات صریحاً ثابت ہوجاتی ہے ۔ موت کے ڈر سے قبول توبہ وایمان قابل قبول نہیں ہے ۔ مگر جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ گناہ ومعاصی سے توبہ بھی موت کے خوف کی وجہ سے قابل قبول نہیں ۔ علمائے اشاعرہ ماتریدیہ اور دوسرے فقہا کا بھی یہی عقیدہ ہے ۔ مگر اکثر علمائے کرام مرض الموت یا خوف موت کی توبہ کو قابل قبول جانتے ہیں ۔ مگر ایمان باس باجماع ناقابل قبول ہے ۔

ـــ ایمان وتوبہ باس

اوپر کی بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اجماع امت اسی پر ہے ۔ کہ فرعون کا ایمان جس کا اقرار جو غرقابی کے وقت کیا گیا تھا ۔ قابل قبول نہیں ۔ کیونکہ غرقابی کے وقت زندگی خطرے میں تھی ۔ اور

اضطراری ایمان پائیدار نہیں ہوسکتا۔ تمام علمائے امت ۔ مجتہدین، مشائخ اور مقتدایانِ امت کا متفق یہی ہے ۔ چنانچہ شرع کی اصطلاح میں ہر جگہ ایسا ایمان مذموم ۔ مقبوح اور کفر و استکبار کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے ۔ آیات قرآنی اس بات کا واضح ثبوت ہیں ۔ کہ فرعون کافر تھا ۔ قبیح تھا ۔ اور جہنمی تھا ۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۔

ہم نے اسے پچھلوں اور پہلوں کے لیے عبرت بنا دیا ہے ۔ ایک اور مقام پر فرمایا ۔

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۔

جو شخص بھی لغت عرب کو جانتا ہے ۔ اسے معلوم ہے ۔ کہ یقدم قومہ کا معنی یہی ہے ۔ کہ وہ اپنی قوم سمیت جہنم میں جائے گا ۔ وہ اپنی قوم کا پیشوا اور سردار ہوگا ۔ حدیث پاک میں زمانہ جاہلیت کے معروف شاعر امرءالقیس کی مذمت میں ارشاد ہوا ہے ۔

يقدم الشعراء الى النار ۔

وہ جہنم میں جانے والے شعرا کی پیشوائی کرے گا ۔ ایک اور جگہ فرمایا ۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۔

فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ تکبر کیا ۔ زمین پر ناحق گمان کرتے تھے ۔ کہ ان کا لشکر بڑا مضبوط ہے ۔ مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ انکا مآل اور بازگشت اس ذوالبطش شدید قہار کی طرف ہے ۔

چنانچہ کافر بھی اسی غلط گمان میں مبتلا ہیں ۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۔

ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو قہر و عذاب میں مبتلا کر دیا ۔ اور انہیں دریائے نیل کی موجوں کے حوالے کر دیا ۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۔

تم دیکھو کہ ظالمین کی عاقبت کیسے ہوتی ہے ۔ پھر مزید فرمایا ۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۔

ہم نے فرعون اور اس کے لشکر کو دوزخیوں کا امام اور پیشوا بنا دیا ۔ اور وہ انہیں پکارتے ہوں گے

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۔

انہیں قیامت کے دن کوئی مدد نہیں ملے گی ۔ بلکہ وہ مطرود اور مردود ہوں گے ۔

وَأَتْبَعْنَاهُمْ فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُم مِّنَ الْمَقْبُوحِينَ

ہم نے اس دنیا میں ان کے لیے لعنت مقرر کی ہے ۔ اور ان کا لشکر رسوا ہوگا ۔

قرآن پاک کی ان آیات سے فرعون کا حال و مآل بخوبی معلوم ہوگیا ہے ۔ اگر وہ مسلمان و پاک ہوکر مرتا تو قرآن اسے ان الفاظ میں یاد نہ کرتا ۔ اگر یہ بات مان لی جائے ۔ کہ یہ استکبار و ظلم کی سرگذشت محض اس کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے ۔ تو پھر بھی ہمیں قرآن کے اس قول کے سامنے ۔

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُم مِّنَ الْمَقْبُوحِينَ ۔

فرعون اور اس کا لشکر قیامت کے دن رسوا ہوں گے ۔ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ اضطراری حالت میں اس کا ایمان قابل قبول نہیں تھا ۔ عقل و وجدان قطعاً یہ تسلیم نہیں کر سکتے ۔ کہ فرعون اللہ کے نزدیک سچا مومن ہے ۔ اس کی زندگی کے ایک کارنامے کی تعریف نہیں ملتی ۔ اس کی آخرت کے اچھا ہونے کا بھی کہیں ذکر نہیں ملتا ۔ کہ ہمارا فلاں بندہ زندگی بھر تو فسق و فجور میں مبتلا رہا ۔ مگر آخر کار ہمارے فضل و رحمت سے درست ہوگیا ۔ ہر جگہ فرعون کی مذمت ہی پائی جاتی ہے ۔ اور ملامت کے الفاظ ملتے ہیں ۔ اس کے ایمان لانے یا اسلام قبول کرنے کا کہیں بھی ذکر نہیں ۔ اس آیت پر بھی غور کرنا ضروری ہے ۔

حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ

یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا ۔ تو کہنے لگا ۔ میں ایمان لایا ۔ کیونکہ اللہ کے بغیر میرا کوئی معبود نہیں جسے بنی اسرائیل اپنا معبود بنائیں ۔ میں مسلمانوں سے ہی ہوں ۔

اس آیۂ کریمہ کے سیاق و سباق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظالم عمر بھر تکبر و غرور اور اسراف میں غرق رہا ۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اس کے اور اس کے لشکر کے لیے عذاب کی درخواست کی ۔ جب وہ زندگی سے مایوس ہوگیا ۔ اور عذاب الٰہی کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا ۔ تو زبان سے اسلام کا اقرار کرنے لگا ۔ حکم ہوا کہ اس وقت ایمان کا کچھ بھی فائدہ نہیں ۔ اختیار ہاتھ سے جاتا رہا ہے ۔ وہ تمہارا کفر و فساد کہاں گیا ۔ آج ہم تجھے دنیا پر بھی رسوا کریں گے ۔ اور تیری نعش کو دریا سے نکال کر تماشا گاہ عالم بنائیں گے ۔ تا کہ لوگ اس سنگین عمل سے عبرت حاصل کر سکیں ۔ خدا و رسول کے

ساتھ غرور اور سرکشی کا انجام یہی ہوتا ہے۔ اور آخرت میں بھی ذلت و رسوائی ہوتی ہے۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۔

اللہ نے فرعون کو دنیا و آخرت کے عذاب میں گرفتار کیا۔ اسی میں عبرت ہے ڈرنے والے کیلیے۔

— حضرت آسیہؓ

یہ خیال کہ حضرت آسیہؓ (فرعون کی بیوی) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا تھا۔

قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ ۔

یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو۔ حضرت آسیہؓ کا محض گمان و خیال تھا۔ اس واقعہ میں اللہ کی حکمت یہ تھی۔ کہ موسیٰ علیہ السلام ظالم کے ہاتھ سے خلاصی پائیں۔ اور ہلاک نہ ہو جائیں۔ کیونکہ فرعون اس وقت کسی نرینہ اولاد کو زندہ چھوڑنے کے حق میں نہیں تھا حضرت آسیہؓ نے آپ کو بچانے کی ایک تدبیر بنائی۔ اور حضرت آسیہؓ کی اس فراست والہام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نبی و مرسل ہونا معلوم کر لیا تھا۔

فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۔

پیدا ہونے کے بعد آل فرعون نے حضرت موسیٰ کو اٹھا لیا۔ تاکہ ان سے دشمنی نہ کر سکے۔

اس عداوت سے مراد وہ عداوت ہے۔ جو نفس الامر میں ہوا کرتی ہیں۔ اگر فرعون مسلمان ہو کر مرتا تو یہ عداوت دائمی نہیں ہوتی تھی۔ قرآن پاک کے علاوہ احادیث میں فرعون کی مذمت پائی جاتی ہے۔ ساری امت کا اجماع اسی پر ہے۔ صحابہ تابعین رضی اللہ عنہم۔ علماء مجتہدین مشائخ متقدمین و متاخرین رحمۃ اللہ سے بکثرت ثابت ہے۔ کہ وہ کافر مرا۔ اگر اس کا خاتمہ بالخیر ہوتا تو اس کا کفر و طغیاں ضرب المثل نہ ہوتا۔

— فرعون اور ابوجہل

جب غزوہ بدر میں ابوجہل لعین مارا گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَاتَ فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ ۔

اس امت کا فرعون مارا گیا۔

اگر فرعون پاک ہوتا تو اس کے ساتھ ابوجہل جو قطعی دوزخی تھا۔ کی تشبیہ نہ دی جاتی۔ اگر یہ شبہ

کیا جائے کہ یہ تشبیہ اس کفر و تکبر کی بنا پر ہے۔ جو اس کی زندگی میں رونما ہوئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں کہیں نہیں آیا کہ ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کے بعد سابقہ کفر و بغاوت کی تشبیہیں دی جائیں۔ کیونکہ اسلام ماقبل کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ قریش کے بہت سے رؤساء جنہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کی عداوت میں ضائع کیا۔ ایمان لانے کے بعد وہ دنیا سے ایمانی دولت کو ساتھ لے گیے۔ شریعت میں ان کے زندگی کے حالات کے متعلق کہیں بھی مذمت یا ہجو نہیں ملتی۔

قرآن پاک نے خصوصیت کے ساتھ فرعون کے کردار کو مکروہ انداز میں پیش کیا ہے۔ مشائخ میں سے کسی نے بھی اسے مومن نہیں جانا۔ صرف شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فصوص الحکم میں مومن قرار دیا ہے۔ ان کا یہ خیال اگر ایمان باس کے قبول ہونے پر مبنی ہے۔ تو اجماع کے خلاف ہے۔ اور اگر وہ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ فرعون کی حالت "باس" کے ضمن میں نہیں آتی۔ تو یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ دریا میں غرقابی کا علم اور موت کی قربت کا احساس سے بڑھ کر کیفیت اضطرار کہاں ہو سکتی ہے۔ جب اجماع سے فرعون کا کفر ثابت ہے اور حالت باس کی نفی کرنا ایمان کے ثابت کرنے کے لیے بیکار ہے۔ خود شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیۃ میں فرعون کی مذمت بیان کرتے ہوئے سخت کافر لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"دوزخ میں مراتب و درکات ہیں۔ بعض ایک دوسرے کی نسبت شدید ہیں۔ ایک حصہ سرکش اور مغرور لوگوں کے لیے ہے۔ جیسے فرعون وغیرہ کہ اشد کافر ہیں"۔

مگر فصوص میں اس عبارت کے خلاف ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ فصوص میں آیت قرآنی:

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَکَہُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ

کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ مگر تحقیق اور معتمد علیہ خیال ابن عربی کے ہاں بھی وہی ہے۔ جو فتوحات مکیۃ میں ہے۔

ابن عربی اور ایمان فرعون

اگر ابن عربی کے ہاں فرعون کا ایمان درست ہو۔ تو امت رسول کے تمام اہل علم اہل سنت کے نظریہ کے خلاف کس طرح اسے صاحب ایمان قرار دے سکتے ہیں۔ وہ اہل شریعت ہیں جماعت

تو قطعی دلیل ہوتی ہے۔

بہرحال ہمیں حیرت ہے۔ کہ اس معاملہ میں کیا فیصلہ کیا جائے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تغافل و اغماض سے کام لیتے ہوئے تکلفاً شیخ ابن عربی کے قول کو اجماع امت کے مطابق مان لیا جائے۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ تمام آئمہ دین کے برعکس حضرت ابن عربی کا ایک قول تسلیم کر لیا جائے۔ اور موجودہ زمانہ کے بعض نادانوں کی طرح اسلام کے پیشواؤں کے بالکل خلاف جاتے ہوئے فرعون کو مومن تسلیم کر لیا جائے۔

نعوذ باللہ من الخلل والزلل۔

انبیاء علیہم السلام کے بغیر دنیا میں کوئی بھی معصوم عن الخطا نہیں ہے۔ کسی سے اجتہاد میں خطا ہو بھی جائے۔ تو کیا نقصان ہے۔ مذہبوں کے امام۔ دین کے پیشوا جن کی تمام عالم اسلام اتباع کرتا ہے۔ ان سے بھی دینی مسائل میں کئی جگہ غلطی سرزد ہوئی ہے۔ ایسی غلطی اجتہادی غلطی کہلاتی ہے۔ اگر شیخ ابن عربی سے ایک مسئلہ میں اجتہادی خطا ہو گئی ہے۔ تو کونسی قیامت ٹوٹ پڑی۔ ہمیں حیرانی تو اس بات پر ہے کہ اجماع امت کے برخلاف صرف ایک شخص کی رائے پر مسئلہ کو کس طرح تسلیم کر لیا جائے۔ اگر یہ عقیدہ صحیح ہے۔ کہ ساری امت میں ایک ہی ذات حق بات کہہ سکتی ہے۔ تو اس کے لیے بھی دلیل کی ضرورت ہو گی۔ محض تقلید اور اتباع مطلوب ہے۔ تو دوسرے مجتہدین کی اتباع اور تقلید بھی نظر انداز نہیں ہونی چاہیئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت شیخ ابن عربی صاحب کشف و یقین ہیں۔ حقائق و دقائق اور معارف کا سرچشمہ ہیں۔ اور ان سے شرعی مسئلہ میں غلطی ناممکن ہے۔ اور انہوں نے جو کچھ رائے قائم کی ہے۔ بلا کمی بیشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ تو یہ ایک علیحدہ بات ہے۔ اس مقام پر ہم دم بخود ہیں۔

شیخ کے حقائق و معارف اپنی جگہ پر درست اور کسی عامی آدمی کو حق نہیں کہ وہ دم مارے۔ مگر تو فقہ کا مسئلہ ہے۔ اس میں صحیح قیاس اور دلیل کی ضرورت ہے۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے۔ کہ انسان خطا کا پتلا ہے۔ انبیاء علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی خطا و غلط سے معصوم نہیں۔ آخر آپ نے فتوحات میں فرمایا ہے۔ اور آپ کے تمام تابع اس قول کو نقل بھی کرتے آئے ہیں۔ کہ قرآن کریم میں کوئی آیت دائمی عذاب کے لیے نازل نہیں ہوئی۔ اور آگ میں داخل ہونا بھی تو عذاب کو مستلزم ہے۔ پس آگ میں ہمیشہ رہنا بھی عذاب کو مستلزم نہ ہوا۔ حالانکہ قرآن حکیم میں دائمی عذاب کا ذکر۔

بہت جگہ آیا ہے:

وَفِی الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُوْنَ ۔	وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔

سورۂ فرقان میں ہے:

وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا ۔	ہمیشہ عذاب میں ذلیل ہو۔

سورۂ الم سجدہ میں ہے:

وَذُوْقُوْا الْعَذَابَ الْخُلْدِ ۔	ہمیشگی کے عذاب کا مزہ چکھو۔

سورۂ زخرف میں یوں ہے:

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ ۔	بیشک مجرم ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے۔

شیخ محی الدین ابن عربی کے علم و کمال کے باوجود خلود عذاب کا قائل نہ ہونا شیخ کی بھول نہیں قرار دیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اعتقاد کے معاملہ میں سواد اعظم کے ٹھوس نظریہ سے ہمیں جدا نہیں رہنا چاہیئے اور ائمہ مجتہدین کے تابع ہونا چاہیئے۔ خاص کران مسائل میں جس میں ساری امت کا اجماع ہے۔ اور اتفاق ہے۔ علیحدہ نہیں جانا چاہیئے۔ ہاں آداب و اخلاق میں مشائخ کا اتباع نہایت ضروری ہے اور ان پر حسن ظن سے اعتقاد رکھنا چاہیئے اور اور کوشش یہ ہونی چاہیئے۔ کہ ان کے کلام کو علماء و مجتہدین سے مطابقت دی جائے۔ ریاضت و مجاہدہ میں پوری ثابت قدمی سے کام لینا چاہیئے۔ اگر استعداد کامل ہے نیت صادق ہے۔ اور مجاہدہ قوی ہے۔ تو انوار و احوال خود بخود کھل جائیں گے۔ اس میں کسی قسم کا تکلف۔ تصنع اور تقلید کی ضرورت نہیں۔

شیخ ابن حجر مکی کی رائے

شیخ ابن حجر مکیؒ اپنی کتاب زواجر میں فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت۔

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا

(جب وہ ہمارا عذاب دیکھ لیں گے۔ تو انہیں ایمان کچھ فائدہ نہیں دے گا)۔ تمام علمائے امت اور مجتہدین نے فرعون کے کفر پر اجماع کیا ہے۔ اگر کسی کے نزدیک اللہ پر ایمان لانا معتبر بھی ہو تو بھی اجماع کے انعقاد میں شک نہیں۔ کیونکہ صرف اللہ پر ایمان لانا۔ اور رسول خدا کو نظر انداز کر دینا

ایمان کے لیے کافی نہیں۔ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ فرعون اللہ پر ایمان لے آیا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لایا تھا۔ تو ایسا ایمان پھر بھی اس کے لیے مفید نہیں۔ اگر کوئی کافر ہزار بار بھی۔

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا الَّذِيْ آمَنَتْ بِهِ الْمُسْلِمُوْنَ

کہتا پھرے۔ جب تک أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہ کہے گا مومن نہیں کہا جا سکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فرعون کے جادوگر بھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے تھے۔ ان کا ایمان کیونکہ مقبول ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جادوگروں نے کہا تھا۔

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝

ہم تمام جہان کے پالنے والے پر ایمان لائے۔ کیونکہ وہ موسیٰ و ہارون کا رب ہے۔ تو ایمان کی نسبت موسیٰ و ہارون کے رب کی طرف کرتے ہوئے موسیٰ و ہارون پر ایمان لانا ثابت ہو گیا۔ فرعون نے تو حضرت موسیٰ کی طرف کوئی نسبت نہیں رکھی۔ اور کہا۔

الَّذِيْ آمَنَتْ بِهِ بَنُوْا إِسْرَآءِيْلَ

(وہ خدا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے)

دوسری بات یہ بھی ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ جادوگر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے۔ اور معجزہ موسیٰ پر رسول کے معجزہ پر ایمان لانا عین رسول پر ایمان لانا ہے۔ جادوگر صریحاً حضرت موسیٰ پر ایمان لائے تھے۔ مگر فرعون کے کلام میں موسیٰ علیہ السلام پر ایمان اشارتاً بھی نہیں پایا جاتا۔ وہ بنی اسرائیل کا اقرار تو کرتا رہا۔ مگر حضرت موسیٰ کے ساتھ اس کا کفر بدستور رہا۔ جس کی وجہ سے وہ کافر ہی رہے گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ بعض صوفیا نے لکھا ہے کہ عذاب دیکھنے کے وقت ایمان لانا بھی مفید ہے تو فرعون کے کفر پر اجماع کا دعویٰ کیسے قابل قبول ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ اول تو صوفیاء کی ایسی تحریریں صحیح نہیں۔ اور اگر بعض مجتہد صوفیاء نے ایسا لکھا ہے تو وہ قابل اعتماد ہے۔ مگر اجماع امت کے سامنے فرعون کے ایمان پر ان کے اقوال کو نظر انداز کرنا ہو گا۔ کیونکہ فرعون پر صرف حالت اضطرار میں ایمان لانے کی وجہ سے کفر عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ اس نے حالت یاس و اضطرار میں حضرت موسیٰ پر ایمان لانا گوارا نہ کیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ابن عربی ایمان اضطراری کی صحت کے قائل ہیں۔ اور انہوں نے فرعون کے

ایمان کو اسی اجتہاد سے تسلیم کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ابن عربی سے مسلم اور مقرر نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں ابن عربی کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ انبیا کے علاوہ کوئی شخصیت بھی معصوم عن الخطار نہیں ہے۔ آیات و احادیث تواتر کے ساتھ ایمان باس کو ناقابل قبول قرار دیتی ہیں۔ ان آیات و احادیث کے ہوتے ہوئے کسی تاویل کی ضرورت محسوس نہیں کی جا سکتی۔ آئمہ، صحابہ، تابعین اور مجتہدین نے حدیث و اجماع سے اتفاق کیا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایمان باس صحیح نہیں تو فرعون کا ایمان نہ لانا بھی ثابت ہے۔ اور اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ایمان باس صحیح ہے۔ تو بھی فرعون کا ایمان موسیٰ و ہارون پر نہیں تھا۔ لہٰذا محض ایمان باللہ تو قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

گناہ کبیرہ سے ایمان ساقط نہیں ہوتا

گناہ کبیرہ بندۂ مومن کو ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ کہ ایمان کی اصل تصدیق قلبی ہے۔ اور اعضاء کے اعمال ایمان کی حقیقت میں شامل نہیں۔ لیکن بغیر اعمال صالحہ کے ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ناقص ہے۔ اور کسی چیز کا ناقص ہونا۔ اسے بالکل معدوم نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کو درجہ کمال سے گرا دیتا ہے اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ کبیرہ گناہ مومن کو ایمان سے محروم نہیں کرتا۔ لیکن کامل ایمان نہیں رہتا۔ گناہ و فسق انسان کو کافر نہیں بناتے۔ لیکن گناہ گار بنا دیتا ہے۔ اندریں حالات یہ بات تسلیم کرنا ہوگی۔ کہ مومن دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو مطیع و فرمانبردار ہیں۔ وہ مومن کامل کہلاتے ہیں۔ دوسری قسم کے مومن عاصی و بدکردار یہی مومن ناقص ہوتے ہیں۔ فاسق و عاصی کو قرآن نے مومن کے خطاب سے مخاطب کیا ہے۔ اور ان پر اسلام کے سارے احکام نافذ و جاری ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ گنہگار فاسقوں کی نماز جنازہ ادا کرتے رہے ہیں۔ اور انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرتے رہے ہیں۔ ان کے واسطے دعائے استغفار کرتے رہے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گنہگار اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

گناہ کبیرہ و گناہ صغیرہ

گناہ کی دو قسمیں ہیں۔ کبیرہ و صغیرہ۔ گناہ کبیرہ وہ ہے۔ جو یقینی دلیل سے ثابت ہو۔ اور اس پر باقاعدہ وعید آئی ہو۔ ناحق قتل کرنا۔ زنا کا مرتکب ہونا۔ نیک منکوحہ کو زنا کی تہمت لگانا۔ دو چند کافروں کے مقابلہ سے بھاگ جانا۔ لواطت کا ارتکاب کرنا۔ جادو کرنا۔ یتیم کا ناحق مال کھانا۔

مسلمان والدین کو ناحق ستانا۔ مکہ معظمہ کے حرم میں ممنوعہ اشیاء کا کرنا۔ سود کھانا۔ چوری کرنا۔ شراب و نشہ آور چیز کا استعمال کرنا۔ سؤر کا گوشت کھانا۔ جھوٹی گواہی دینا۔ بلاوجہ سچی گواہی چھپانا۔ بلا عذر رمضان کے روزے نہ رکھنا۔ نماز نہ پڑھنا۔ نماز بے وقت ادا کرنا۔ زکوٰۃ نہ دینا۔ جھوٹی قسمیں کھانا۔ قطع رحم کرنا۔ ناپ تول میں بددیانتی کرنا۔ مسلمانوں سے بلاوجہ لڑتے رہنا۔ قدرت کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہاتھ روک لینا۔ قرآن پاک یاد کر کے بھول جانا۔ کسی جاندار کو آگ میں جلانا عورت ہو کر اپنے خاوند کی نافرمان ہونا۔ مرد ہوتے اپنی بیوی پر ظلم و تعدی کرنا۔ میاں بیوی میں لڑائی کی بنیاد رکھنا۔ علمائے دین اور حافظان قرآن کی توہین کا مرتکب ہونا۔ اللہ کی مغفرت سے ناامید ہونا۔ اس کے عذاب سے بے خوف رہنا۔ یہ سارے اعمال گناہ کبیرہ میں شامل ہیں۔ اور مولنا جلال الدین دوانی رویانی سے نقل کئے ہیں۔

حضرت رویانی حضرت امام شافعی کے اصحاب میں سے تھے۔ بعض علماء کرام نے گناہ کبیرہ کے متعلق مزید امور کا بھی ذکر کیا ہے۔ مگر گناہ کبیرہ معلوم کرنے کا قاعدہ یہ ہے۔ کہ شریعت میں جس کے متعلق وعید آئی ہو۔ اس کے ارتکاب کا نام گناہ کبیرہ ہے۔ جو ایسا نہ ہو۔ وہ گناہ صغیرہ کہلائے گا۔ چونکہ گناہ صغیرہ میں اتنی شدت نہیں ہے۔ اس لیے اس سے بچنا بھی ذرا مشکل ہے۔ مذہب مختار بھی یہی ہے۔ کہ گناہ صغیرہ سے تقویٰ کو نقصان نہیں پہنچتا۔ بشرطیکہ اس کی عادت نہ بنالی جائے۔ گناہ کبیرہ کا مرتکب اگرچہ ایمان میں ضعف و نقصان پاتا ہے۔ مگر دائرہ اسلام سے باہر نہیں جاتا۔

— فرقہ خارجیہ اور معتزلہ کا استدلال

خارجیہ فرقہ تو کبیرہ چھوڑ کر گناہ صغیرہ کے مرتکب کو بھی کافر کہتے ہیں۔ یہ مذہب چونکہ بذات خود باطل ہے۔ لہذا اس کی بات قابل اعتبار نہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں۔ کہ گناہ کبیرہ کرنے والے نہ مومن رہتے ہیں۔ اور نہ انہیں کافر کہا جا سکتا ہے۔ یہ پہلا مسئلہ ہے جو اسلام میں تمام مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے۔ اور معتزلہ ہی ایسا فرقہ ہے جو بنائے اسلام میں رخنہ اندازی کرتے چلے آئے ہیں۔ وہ عقل و خرد کے تابع ہیں۔ وہ ظاہری نصوص کو بھی تاویلات کے چکر میں لے جاتے ہیں۔ یہ مذہب باطل اور ناقابل اعتماد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کو دو صفوں میں رکھا ہے۔ یا مسلمان ہیں۔ یا کافر۔ فرمایا۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ ۔

ان دو کے بغیر کوئی بھی تیسری قسم نہیں ہے۔

حقیقت میں ان لوگوں نے نبی علیہ السلام پر ایمان لانے اور آپ کی تصدیق کرنے کی قدر و منزلت کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ ایمان کی قوت اور نورانیت کے سامنے تمام گناہ بے حقیقت ہو کر رہ جاتے ہیں۔ جس طرح نیکیاں کفر کی حالت میں کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ اسی طرح برائیاں بھی ایمانی قوت کے سامنے ہیچ ہوتی ہیں۔ اور کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ ہاں کمال ایمان میں یقیناً فرق آجاتا ہے۔

اگر بطور استخفاف کے گناہ کیے جائیں۔ حرام کو حلال جانتے ہوئے گناہ کو کچھ نہ سمجھے۔ تو یہ کفریہ بات ہے۔ اور تصدیق قلبی کے خلاف ہے۔ مگر جو شخص حرام کو حرام اور حلال کو حلال جانے مگر بشریت کے تقاضا سے خواہشات نفس کا شکار ہو جائے تو وہ کافر نہیں ہوتا کیونکہ تصدیق قلبی جو ایمان کی جان ہے۔ دل میں موجود ہے۔ ایسا شخص مسلمان مزور ہے۔ اگرچہ اس کے اعضاء جوارح نافرمان ہیں۔ جو دل کا کہا نہیں مانتے۔ خاص کر ایسے وقت جب عذاب کا خوف اور مغفرت کی امید اور توبہ کا ارادہ ہو۔

ان رعائتوں کے باوجود مغرور نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ گناہ کی نحوست دل کی صفائی اور ایمان شگفتگی کو اس طرح کھو دیتی ہے کہ نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور کفر کے بالکل قریب کر دیتی ہے۔ جب انسان گناہ کا عادی بن جاتا ہے۔ تو اسے کفر سے بچنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے۔ کہ جب انسان گناہ کرتا ہے۔ اس کے دل پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے۔ اگر توبہ کرے تو یہ داغ دور ہو جاتا ہے۔ ورنہ دن بدن بڑھتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر دل ایمانی باتیں اور حق کی گفتگو نہیں سن سکتا۔ ختم اور طبع کے یہی معنیٰ ہیں۔ جو قرآن نے بیان کیے ہیں۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ ۔ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ ۔ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ

ان تینوں آیات میں مختلف کیفیتوں کا اظہار کیا گیا ہے۔ پہلی میں ایسا نہیں جو ان کا گمان ہے۔ دوسری میں دل زنگ آلود ہوتے ہیں۔ اور تیسری میں مہریں لگا دی جاتی ہیں۔

۔ گناہ کے اثرات

گناہ اگرچہ مومن کو ایمان سے محروم نہیں کر سکتا۔ مگر کفر کے خوف سے بچا نہیں سکتا سلامتی اسی بات میں ہے۔ کہ دنیا کے معاملات کو بقدر ضرورت اختیار کیا جائے۔ یہ ایسا تین قسم کی احتیاطوں سے ہو سکتا ہے۔ اول اس قدر کھانا کھایا جائے کہ بھوک روکی جا سکے۔ دوسرے کپڑے اس قدر استعمال میں لائے جائیں۔ جو ستر کے لیے کافی ہوں۔ مکان اس قدر لیا جائے۔ جو گرمی و سردی سے پناہ گاہ ثابت ہو سکے۔ ان حالات میں حدود سے تجاوز کرتے ہوئے مباحات کے میدان میں قدم رکھنے اور آرام و آسائش کی وسعت کے دروازے کھولنا شبہات و مکروہات تک پہنچا دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ انسان محرمات کا ارتکاب کرنے سے بھی باز نہیں رہتا۔ اسلام کی سرحدیں یہاں تک ختم ہو جاتی ہیں۔ آگے کفر کی وادی ظلمات ہے۔

غرضیکہ کمال و نقصان کی ترقی و زوال کے یہی دو راستے ہیں۔ ایمان میں ترقی و کمال اسی بات سے ہوتی ہے کہ واجبات۔ سنتیں اور نفل ادا کیے جائیں۔ اور مرتے دم تک اس پر قائم رہا جائے زوال اس وقت شروع ہوتا ہے۔ جب انسان مشتبہات اور حرام میں پڑے۔ سلامتی اور حقیقت تو خوف و رجا کے درمیان ہی ہے۔

۔ اہل کبائر ہمیشہ کے لیے دوزخی نہیں

مومن گناہ کبیرہ کرنے والے ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ خواہ وہ بلا توبہ ہی مر گیے ہوں کیونکہ انسان گناہ کبیرہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا۔ اور قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ ہمیشہ دوزخ تو دین کے منکروں اور کافروں کے لیے ہی ہے۔ چنانچہ گناہ گار اور مرتکبان کبائر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ اگر وہ توبہ کے بغیر مر گیے تو جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا انہیں دوزخ میں رکھے گا۔ پھر معاف کر دے گا۔ اور بہشت میں داخل کر دے گا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بہشت میں رہیں گے۔

امام حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ بعض گناہ گار تو محض ایک لمحہ کے لیے دوزخ میں ٹھہریں گے۔ بعض ایک دن۔ بعض ایک سال بعض اس سے بھی زیادہ۔ لیکن دنیا کی عمر سے زیادہ کوئی مومن بھی دوزخ میں نہیں رہے گا یہ

مدت سات ہزار برس ہے ۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ابن ابی حاتم اور ابن شاھین نے علی رضی اللہ عنہ سے بھی بیان کیا کیا ہے ۔

مشرک ابدی دوزخی ہیں

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے ۔ کہ مشرک اور کافر ہرگز نہیں بخشے جائیں گے ۔ باقی گناہ صغیرہ وکبیرہ کے مرتکب خواہ توبہ کریں یا نہ کریں جب اللہ تعالیٰ انہیں چاہے گا بخش دے گا ۔

یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ۔

اللہ جو چاہے کرے اور جو ارادہ فرمائے حکم دے ۔

غرضیکہ آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں ۔ مومن و کافر ۔ مومنین میں سے مطیع و عاصی ہیں ۔ عاصیوں میں سے توبہ کرنے والے اور توبہ سے محروم لوگ ۔ کفار تو اجماعاً دوزخ میں رہیں گے ۔ مومن مطیع اور عاصی تائب بالاتفاق جنت میں جائیں گے رہا وہ گنہگار جنہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا انہیں دوزخ میں رکھا جائے گا ۔ اور عذاب دیا جائے گا گناہوں کی مقدار کے پیش نظر دوزخ میں رہنے کے بعد داخل جنت کیا جائے گا ۔ مگر اس کی یہ رہائی شفاعت یا شفاعت کے بغیر یقینی ہے ۔

عذاب و مغفرت

فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ۔

اللہ جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے بخش دے ۔

گناہوں کے بخش دینے میں بہت سی احادیث ہیں ۔ ایک حدیث سوال کے باب میں مذکور ہے ۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ۔ کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا ۔ اس کا اعمال نامہ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا ۔ جب بندہ دیکھے گا کہ اعمال نامہ میں گناہوں کے سوا کچھ بھی نہیں ۔ مگر اعمال نامہ کی پشت پر وہ نیکیاں درج ہوں گی ۔ جنہیں تمام مخلوقات دیکھ کر رشک کرے گی ۔ خداوند تعالیٰ اپنی رحمت سے حکم کرے گا ۔ اے بندے دنیا میں میں نے تیرے گناہوں پہ پردہ ڈالے رکھا ۔

آج بخش دیا ہے۔ اب تم بہشت میں جاؤ اور ہمیشہ رہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اس کی رحمت عامہ کے پیش نظر ہے۔ عقل اسے اپنے معیار پر جانچنے سے قاصر ہے۔ اور عقل کو یہ بھی اختیار نہیں کہ اللہ تعالےٰ کے اس بخشش کے حکم کے سامنے دریافت کرے۔ کہ کافر کو کیوں بخش دیا گیا۔ اسے پہلے کیوں بخشا گیا اور اسے بعد میں کیوں بخشا گیا۔

یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ۔

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جس بات کا ارادہ کرتا ہے حکم کرتا ہے۔

اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ اس کا خلاف وعدہ نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ وعید کے خلاف ہو۔ یہ محض اس کا کرم ہے۔ کریموں کی عادات ہوتی ہے کہ احسان و انعام کا وعدہ کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں۔

اَلْکَرِیْمُ اِذَا وَعَدَ وَفَا۔

سخی جب وعدہ کرتا ہے پورا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جب غضب اور عذاب سے ڈراتا ہے تو یہ اس کی وعید ہے۔ اس سے درگذر کرنا اور معاف کر دینا اسی شان کریمی کی ایک جھلک ہے۔

بعض علماء کی رائے ہے۔ کہ وہ اپنے وعدہ اور وعید دونوں کے خلاف نہیں کرتا۔ ورنہ اس کی وعیدی خبریں سب جھوٹی ثابت ہوں گی۔ حالانکہ اس کی ذات تو جھوٹ سے منزہ اور پاک ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وعید کی خبروں میں ممکن ہے۔ کہ اس کے کرم کے مقتضا کے موافق مشیت کی شرط مقدر ہو۔ اگرچہ اس کی تصریح نہیں کی گئی۔ اور وعدے جیسے ہونے والے تھے۔ ویسے ہی ہوں۔ وہ آیات و احادیث جن میں مشیت کا بیان ہے۔ تقدیر مشیت کا قرینہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ وعید کی خبروں سے استحقاق عذاب مراد ہے۔ اس کا وقوع بالفعل مراد نہیں۔ بعض اوقات انشاد وعید بھی مراد ہے۔ حقیقیۃ خبر مراد نہیں۔ ان حالات میں جھوٹ یا تکذیب واقع نہیں ہوتا۔

گناہ صغیرہ پر سزائیں

چھوٹے گناہوں پر بھی عذاب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کفر کے بغیر تمام چھوٹے بڑے گناہ مواخذہ و عذاب اللہ کی مشیت پر موقوف ہوتے ہیں۔ صغیرہ بھی گناہ ہے۔ اس لیے اس پر عذاب و مواخذہ

بھی جائز ہے۔

اللہ کے رسول

اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے اپنے رسول بھیجے۔ وہ انسانوں کو جنت کی خوشخبری سناتے رہے اور دوزخ سے ڈراتے رہے۔ انسانوں کا دین و دنیا کے کاموں میں راہنمائی فرماتے رہے۔

اللہ تعالیٰ خود فاعل اور مختار ہے۔ جو چاہتا ہے اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اسے کسی چیز کی ضرورت بھی نہیں۔ اور کسی چیز سے مجبور و محکوم بھی نہیں۔ عقل اس پر حکم نہیں چلا سکتی۔ بلکہ وہ اس کی خود محکوم ہے۔ اس نے اپنے فضل و کرم سے وہ تمام چیزیں جس سے بقائے عالم اور بقائے زندگانی انسان اور اس کے دنیا و آخرت کے کاموں میں اصلاح و درستی ہو سکے۔ اپنی قدرت و حکمت سے سرانجام دیتا ہے۔ وہی اس کا ضامن اور کفیل ہے۔ رزق کا دینا۔ اپنے بندوں کو ہدایت کے لیے پیغمبروں کا بھیجنا۔ گو یہ تمام امور اس پر واجب نہیں۔ لیکن وہ اپنی عادت کریمانہ سے ان تمام کاموں کو سرانجام دیتا ہے۔

چونکہ تمام لوگ اس کے دربار سے کماحقہ فیضان حاصل کرنے کی براہ راست صلاحیت نہیں رکھتے۔ اور عالم ملکوت تک پہنچنا بھی بڑا دشوار ہے۔ اس لیے اس نے اپنے بندوں سے بعض کو برگزیدہ بنا دیا۔ اور انہیں اپنی ذات و صفات اور اعمال کی معرفت عطا کی۔ اور جن امور میں انسان کی بھلائی تھی۔ وہ ان کو سکھا دیے۔ وہ دنیا میں آئے تاکہ اس کے بندوں کو اس کی طرف بلا سکیں۔ اور ہدایت کا راستہ دکھا سکیں۔ اور دنیا و آخرت میں جن چیزوں کی ضرورت ہے۔ اس کی راہنمائی کر سکیں۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت کو پیدا کیا۔ اسے نیک انسانوں کی قیام گاہ بنا دیا۔ دوزخ بنایا۔ اور اسے نافرمانوں کی جائے عذاب بنا دیا۔ اب ایسے اچھے کام جو انسان کو بہشت میں لے جائیں یاد رہے کام جن سے دوزخ مقدر ہو چکی ہو۔ محض عقل سے حل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے انبیاء کرام کو بھیجا۔ تاکہ وہ مخلوق کو بتا سکیں۔ کہ فلاں فلاں کام سے فلاح و بہبود حاصل ہوتی ہے۔ اور فلاں فلاں برے کام تباہی کا راستہ دکھاتے ہیں۔ اس صورت حال سے مخلوق کے پاس کسی قسم کی حجت یا عذر باقی نہیں رہتا چنانچہ فرمایا۔

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۔

تاکہ لوگوں کو رسولوں کے آنے کے بعد اللہ پر کوئی حجت یا عذر نہ رہے۔

اور پھر فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

ہم نے اپنے رسول کو رحمت عالم بنا کر بھیجا۔

فی الواقع تمام علوم کے مادے اور اصول خواہ وہ زمین سے متعلق ہوں یا آسمان سے، حضرات انبیاء کے فیضان کا نتیجہ ہیں۔ علم کا مبداء اور سرچشمہ تو وحی آسمانی ہے۔ تمام علما اور حکماء اسی سے ہی علوم حاصل کرتے ہیں۔ سب نے اسی سرچشمہ سے پانی پیا۔ یہ ممکن ہے کہ قیاس، اجتہاد و معاہدہ کے سبب علما کرام نے بہت سے باتیں بڑھائی ہوں۔ اور لوگوں کے اطمینان کے لیے انہیں مختلف انداز میں بیان کیا ہو۔ مگر یہ تمام چیزیں تو علوم وحی کی شرح و تفسیر ہی ہیں۔

اگر یہ خیال گذرے کہ بعض علوم تو شریعت کے مخالف ہیں۔ اس کا سبب کیا ہے۔ ہمارے پاس اس کا جواب یہ ہے۔ کہ قاعدہ قدرت تو اسی طرح ہے۔ کہ شرائع سابقہ منسوخ ہوں۔ وقت کے مطابق احکام بدلے جائیں۔ جب یہ صورت حال پیدا ہوئی۔ بعض لوگ تو پہلے دین پر قائم رہے۔ اور نئے پیغمبر کی متابعت کی مخالفت کرنے لگے۔ اور اس طرح وہ بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں سے بھی محروم رہے۔ بعض نے تحریف کر کے بعض چیزیں اپنی طرف سے بڑھا دیں۔ اور ایک جماعت ایسی ہوئی۔ کہ انہوں نے اپنی عقل فضول سے اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ کو بروئے کار لاتے ہوئے بحث و جدل اور قیل و قال کے دروازے کھول دیے۔ ایک طبقہ تو اس طرح کہنے لگا کہ دنیا کے حکماء نے اپنی ریاضت و استدلال سے کسی کی مدد کے بغیر ہی علوم ایجاد کر لیے ہیں۔ اور انہیں کسی دوسرے واسطے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ان لوگوں کا یہ خیال بڑا غلط اور بعید از علم تھا۔

دراصل علم کے حاصل کرنے کا واحد ذریعہ تو استاد ہی ہے۔ مطالب زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا تو اپنے فہم و استنباط کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ حدیث پاک میں اس نکتے کو یوں واضح کیا ہے۔

انما العلم بالتعلم والحلم بالتحلم۔

علم سیکھنے سے آتا ہے۔ اور حلم بردباری سے میسر ہوتا ہے۔

ب۔ معجزاتِ انبیاء اور تائید الٰہی

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی تائید معجزات اور آیات سے فرمائی ہے۔ ان چیزوں سے یقین و ایمان کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ ہر ایک دعوے کی ایک دلیل ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم کا

یہ دعویٰ کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے سفیر ہیں۔ تو معجزات ان کے دعوے کی دلیل ہے۔

معجزہ کیا ہے؟

معجزہ اس خرقِ عادت کو کہتے ہیں۔ جو مدعیِ نبوت سے ظاہر ہو۔ اور اس کے دعویٰ کی تائید کرے اور غیر نبی ایسا معجزہ پیش کرنے سے عاجز ہو۔ خرقِ عادت کے معنی یہ ہیں کہ ظاہری اسباب کے بغیر ہی ایسا کام نبی کے ہاتھوں ظاہر ہو۔ جسے ہم سمجھنے سے عاجز آجائیں۔

حکیمِ مطلق نے دنیا کے تمام امور اسباب پر موقوف رکھے ہیں۔ قانونِ قدرت یہی ہے۔ کہ بغیر اسباب کے کوئی کام پیدا نہیں کرتا۔ اسی کو عادت کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ اپنی قدرت سے اس عادت کو توڑ دیتا ہے اور کسی ظاہری سبب کے بغیر ہی اپنے رسول کے ہاتھوں پورا کر دیتا ہے تاکہ یہ چیز اس کی رسالت کی دلالت بن سکے۔ چنانچہ معجزہ اللہ کا فعل ہے۔ نہ کہ رسول کا۔ کیونکہ قانونِ قدرت کو توڑنا انسان اختیار سے باہر ہے۔ معجزہ نبی کی صداقت کی یقینی دلیل ہے۔ معجزہ کو دیکھتے ہی نبی کی صداقت کا یقین ہو جاتا ہے۔ نفس اس کی تصدیق پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور مجالِ انکار نہیں رہتی یہی نفس کی جبلی اور پیدائشی خاصیت ہے۔

نبوت کا دعویٰ ایک غیر معمولی اور عظیم الشان کام ہے۔ چنانچہ اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے دلیل بھی اتنی قوی ہونی چاہیئے معجزہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قہر کا مظہر ہوتا ہے۔ اس کے غلبے اور رعب کے سامنے کسی کے پاؤں نہیں جمتے۔ اور اختیار ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اس کے برعکس عقلیہ و نقلیہ دلائل تو گویا چند گرہ ہیں۔ جو خیال کے دھاگے میں لگا دی جاتی ہیں۔ ان سے دشمن کو الزام دینا۔ اور اسے ساکت کرنا بڑا ہی مشکل ہوتا ہے۔ نزاع و جدال کا راستہ ان سے مسدود نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ علم الکلام اور فلسفہ کے دلائل یقینی نتائج لانے سے عاجز رہے ہیں۔

اگر معجزہ دیکھنے کے بعد بھی ایک انسان منکر اور کافر رہے۔ تو یہ بات اس کی ازلی بدنصیبی اور دلی عناد کے بغیر اور کیا ہو سکتی ہے۔

اوّل الانبیاء اور خاتم الانبیاء

سب انبیاء سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اور سب کے آخرین یعنی خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری سے دین کا کامل کرنا اور مکارم اخلاق کا پورا کرنا مقصود تھا جب یہ مقصد پورا ہوگیا۔ اور اخلاق مکمل ہو گیے۔ تو حضور کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت نہ رہی حضور کے خلفاء اور امت کے علماء ہی اسلام کے محافظ اور مدد گار بن گیے۔ اور قیامت تک اس کی اشاعت و نگہبانی کے لیے کافی ہیں۔

— انبیاء کی تعداد

بہتر یہ ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد مقرر نہ کی جائے۔ بعض حدیثوں میں اگرچہ تمام انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بیان ہوئی ہے۔ مگر قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۔

ان میں سے بعض انبیا کا حال تو بیان کر دیا ہے۔ اور بعض کا بیان نہیں کیا گیا۔ ممکن ہے کہ اس خبر کے بعد فرما دیا گیا ہو۔ چونکہ قرآن کریم میں تعداد بیان نہیں کی گئی۔ لہذا اس کے مجمل اور پوشیدہ رکھنے میں احتیاط ہے۔

— ذوالقرنین کی نبوت

بعض علماء نے ذوالقرنین کو پیغمبر تسلیم کیا ہے۔ مگر اکثر کی رائے ہے۔ کہ وہ ایک مسلمان انصاف پسند بادشاہ تھا۔ ہمارے نزدیک بھی یہی بات درست ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی خیال ہے۔

بعض علمائے کرام نے اسے فرشتہ لکھا ہے۔ مگر یہ بات بعید از قیاس ہے۔ علمائے تاریخ نے نام میں بھی اختلاف کیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اس کا نام اسکندر تھا۔ بعض مورخین نے عبداللہ، مرزبان مرزبی اور ہرمن لکھا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے نام کتابوں میں آتے ہیں۔

سکندر رومی فیلسوف کا بیٹا تھا جس کے مشیر و مصاحب حضرت خضر تھے۔ جس نے چشمۂ آب حیات کی جستجو کی مگر نہ پا سکا۔ اسکندر یونانی ایک اور شخص ہوا ہے۔ وہ یونان یافث کے بیٹے نوح علیہ السلام کے پوتے کی اولاد میں تھا۔ اور اس کا وزیر ارسطو تھا۔

بعض علمائے تاریخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے۔ امام حدیث و تفسیر حضرت ابن اسحٰق

نے لکھا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پیدا ہوا تھا۔

کہتے ہیں۔ کہ چار آدمیوں نے مشرق سے مغرب تک دنیا کو فتح کیا۔ ان میں دو مسلمان اور دو کافر تھے۔ مسلمانوں میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین اور کافروں میں سے نمرود اور بخت نصر۔ آخری زمانہ میں حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے۔

سکندر کا نام ذوالقرنین کی وجہ بھی مختلف علماء نے مختلف انداز سے پیش کی ہے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں۔ کہ وہ دو قرن زمین کا مالک تھا۔ (یعنی مشرق و مغرب کا یا روم و فارس یا روم و ترکی کا) اس لیے اسے ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس کے دو گیسو تھے۔ اس لیے ذوالقرنین کہا جاتا رہا۔ بعض نے بیان کیا ہے۔ کہ اس کے سر پر دو سینگ تھے۔ اس واسطے اُسے ذوالقرنین کے لقب سے یاد کیا جاتا رہا۔ بعض کے نزدیک اس کے سر پر بیل کی طرح دو سینگ تھے۔ ایک قول یوں بھی ہے۔ اس نے دو قرن بادشاہی کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ایک جہاد میں اس کے سر پر دو زخم آئے اس لیے اسے ذوالقرنین کہا جانے لگا۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صحابی حضرت ابن کورسے لوگوں نے ذوالقرنین کے متعلق پوچھا۔ تو انہوں نے بتایا کہ ذوالقرنین پیغمبر نہیں تھا۔ وہ ایک خدا ترس انسان تھا اور اس کے سر پر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے داہنی طرف زخم آگیا۔ جس سے جان بحق ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پھر زندہ کیا۔ پھر بائیں طرف زخم آیا۔ اور وہ مرگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پھر زندگی دی۔ اس وقت سے اس کا نام ذوالقرنین پڑگیا۔

بعض کہتے ہیں کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ آفتاب تک پہنچ گیا ہے۔ اور اس کے دونوں اطراف کا مالک بن گیا ہے۔ اس لیے اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا ہے۔

حضرت لقمان کی نبوت

آپ حضرت ایوب علیہ السلام کے خواہر زادے یا خالہ زاد بھائی ہیں۔ بعض علمائے تاریخ نے لکھا تھا۔ کہ آپ نبی تھے۔ مگر صحیح یہ ہے۔ کہ ولی اللہ اور حکیم تھے۔ انہوں نے اپنی عمر میں ایک ہزار پیغمبروں کی خدمت اور شاگردی کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ کہ حضرت لقمان نبی تھے۔ بادشاہ نہیں تھے۔ وہ حبشی غلام تھے۔ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ مگر اللہ نے انہیں برگزیدہ بنا دیا۔ حکمت

وعمل اور جوانمردی کے انعامات سے آپ کو نوازا۔ اور اپنی کتابوں میں آپ کا ذکر اچھے انداز میں فرمایا۔

حضرت خضر علیہ السلام

حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ کہ وہ زندہ ہیں۔ مخلوقات انکی آنکھوں سے محجوب نہیں۔ آب حیات سے مستفیض ہوئے ہیں۔ اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ بعض علماء انہیں صرف ایک ولی اللہ کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ بعض آپ کو فرشتہ تصور کرتے ہیں۔ مگر یہ خیال باطل ہے۔ جمہور اہل علم وتحقیق کی یہی رائے ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ اور جب تک دنیا میں قرآن پاک موجود ہے انہیں موت نہیں آئے گی۔

حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے۔

"خضر (خ کی زبر اور ضاد نقطہ دار کے زیر اور خ کسرہ کے زیر اور ضاد نقطہ دار کے سکون سے دونوں طرح پڑھا جاتا ہے) کا نام بلیا بن ملکان ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ وہ فرعون کے لڑکے تھے۔ مگر یہ بات نہایت عجیب وغریب اور شاذ ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ مالک کے بیٹے الیاس کے بھائی ہیں۔ بعض کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی فرزند ہیں۔

غرضیکہ باتفاق مشائخ صوفیہ اور جماہیر علمائے امت خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔ اور محدثین کا ایک طبقہ جن میں حضرت امام بخاری۔ ابن المبارک۔ ابن عربی اور ابن جوزی ہیں خضر علیہ السلام کی زندگی سے انکار کرتے ہیں۔ ان حضرات کے سامنے وہ حدیث ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنی وفات کے قریب فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی جاندار بھی سو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہے گا۔ مگر اس حدیث کے معانی میں تاویل وتفسیر سے کام لیا جاتا ہے۔

خضر علیہ السلام کی ملاقات اولیاء اللہ کے ہاں بڑی معروف بات ہے۔ وہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے۔ حضور کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ کے پاس تعزیت کے لیے آئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا۔ کہ:

لَوْ كَانَ خِضْرٌ حَيًّا لَزَارَنِيْ

اگر خضر زندہ ہوتے تو میں ان سے ملاقات کرتا۔ ملاقات خضر سے پہلے کا ہے۔ اس قسم کی ملاقات ... وعادت پر ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض احادیث وروایت کی

ہیں۔ اور بعض مشائخ نے یہ احادیث حضرت خضرؑ سے براہ راست سنی ہیں۔

عورتوں کی نبوت

حضرت مریم۔ آسیہ۔ سارہ۔ ہاجرہ۔ حواؑ اور ام موسیٰؑ (جن کا نام ... تھا) علیہن السلام۔ کی نبوت کے متعلق ایک قول نقل کیا ہے۔ مگر یہ صحیح ہے کہ نبوت مردوں سے ہی مختص ہے۔ اور قرآن پاک میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ۔

ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے ہیں۔ وہ مرد ہی تھے۔ جن کی طرف وحی آتی رہی۔

اگرچہ قرآن پاک میں مذکورہ بالا عورتوں پر بھی وحی نازل ہوتی رہی ہے۔ اور ان کا تذکرہ پیغمبروں کے ساتھ آیا ہے۔ لیکن اس بات سے ان کی پیغمبری اور نبوت ثابت نہیں ہو سکتی۔ وحی سے ان مقامات پر الہام و اعلام مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ۔

تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی بھیجی۔ انبیاء کے ساتھ ان نیک عورتوں کا تذکرہ ان کی بزرگی اور عظمت کے اظہار کے لیے ہے۔

عصمت انبیاء

تمام انبیاء کرام گناہوں سے پاک سچے اور خدا کی طرف سے احکام پہنچانے والے تھے۔ وہ اپنے منصب نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوتے۔ جو کچھ بھی پیغمبروں نے کہا۔ ہمیشہ سچ کہا۔ اور جو کچھ وہ لائے وہ اپنے اللہ کی طرف سے لائے۔ انہوں نے ہمیشہ امر و نواہی کے احکام کو کما حقہ پورا کیا۔ وہ گناہوں سے پاک تھے۔ ان کا دعویٰ معجزہ سے ثابت ہوتا رہا۔ اور انہوں نے جو کچھ بھی کہا۔ اپنے اللہ کی طرف سے کہا۔

وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ۔

رسول کے ذمہ بجز پیغام حق پہنچانے کے کچھ نہیں۔ اگر وہ جھوٹ بولیں۔ تو ان کے یہاں بھیجنے کی حکمت باطل ہو کر رہ جائے۔ اور اگر وہ خود ہی گناہ میں ملوث ہو جائیں۔ تو مخلوق خدا ان سے نفرت کرنے لگے۔ نصیحت و ارشاد کے سرچشمے بند ہو جائیں گے۔ چنانچہ انبیاء کرام جھوٹ اور گناہ کبیرہ سے معصوم ہیں۔ نہ ان سے قصداً گناہ سرزد ہوتا ہے۔ اور نہ ہی بھولے سے۔ صغیرہ گناہ بھی ان سے عمو

نہیں ہوتا۔ اگرچہ بعض علما نے کبیرہ ہونے سے اور صغیرہ قصداً جائز لکھا ہے۔ لیکن وہ گناہ جس سے عوام میں نفرت پھیلے یا ان کے درجات میں فرق ڈال دے۔ کسی صورت بھی سرزد نہیں ہوتا۔ وہ ایک لقمہ برابر چوری کے مرتکب نہیں ہوتے۔ اور کسی حقیر سے حقیر چیز پر ان کی نیت خراب نہیں ہوتی۔ وہ معاملات میں رتی بھر بھی کمی و بیشی روا نہیں رکھتے۔

ـــ انبیاء کی لغزشیں

جمہور اہل سنت کا اسی بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام سے عموماً یا سہواً گناہ کبیرہ و صغیرہ سرزد نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی یہ بات ان کے مناصب جلیلہ اور مراتب عالیہ کو زیب دیتا ہے۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین

مدینہ کے بعض علماء۔ محدثین اور فقہا نے قصیدہ امالہ کی شرح میں یوں بیان فرمایا ہے۔ انبیائے کرام سے احکام الٰہی کے پہنچانے اور رسالت کے متعلق امور کو سرانجام دینے میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں ہوتی۔ ان کے علاوہ بعض صغیر معاملات میں سہو سرزد ہو جائے تو تعجب کی بات نہیں چنانچہ سجود سہو کے باب میں مذکور ہے۔ کہ انبیاء کرام سے جو خطائیں یا لغزشیں منسوب ہیں۔ بعض تو ان میں سے صحیح ہیں اور بعض صحیح نہیں۔ اور ان کی تاویلیں کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کی ظاہری صورت پر اعتقاد نہیں کرنا چاہئے

ـــ انبیاء کی ابدی زندگی :۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کبھی معزول نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو مراتب و درجات رسالت انہیں عطا فرمائے ہیں۔ وہ ان سے کبھی نہیں چھنتا۔ رسالت موت کے بعد بھی قائم و جاری رہتی ہے۔ بلکہ ہم تو یہاں تک کہیں گے۔ کہ انبیاء کرام کو موت نہیں آتی۔ اور زندہ جاوید ہیں۔ اور باقی ہیں۔

ان کے واسطے بس ایک ہی موت ہے۔ جو ایک دفعہ واقع ہوئی۔ اس کے بعد ان کی روحیں انہیں بدلوں میں لوٹا دی جاتی ہیں؟ اور جو زندگی انہیں دنیا میں دی جاتی ہے۔ وہی زندگی ان کی عالم برزخ میں ہوتی ہے۔ انبیاء کی حیات شہدا کی زندگی سے کامل تر ہوتی ہے۔ کیونکہ شہدا کی زندگی پوشیدہ اور معنوی ہوتی ہے۔

ـــ شریعت اور نبوت :۔

کسی نبی کی شریعت کے منسوخ ہونے سے یہ مراد نہیں ہے۔ کہ اس کی نبوت بھی منسوخ ہو گئی ہے۔ اولیاء اللہ معزول ہونے کے خوف سے اور خاتمہ بالخیر کے لیے ہر وقت مقام خطر میں رہتے ہیں۔

اگر ان کا خاتمہ بالایمان ہوا تو ولی ہیں۔ ان کی موت نیند کی طرح ہوتی ہے۔

قبروں سے استعانت و استمداد

قبروں سے امداد و اعانت طلب کرنے کے متعلق فقہا میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کے ہاں انبیاء کرام کے علاوہ تمام لوگوں کی قبروں کی زیارت محض عبرت اور موت کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہے۔ قبروں کی زیارت سے مُردوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ اور ان کے حق میں استغفار فائدہ رساں عمل ہے۔ نبی علیہ السلام کا بقیع کی قبروں کی زیارت کرنے کے لیے جانا تو احادیث متواتر سے ثابت ہے۔ [1]

---

[1] استعانت حقیقیہ یہ کہ اسے قادر بالذات و مالک مستقل و غنی بے نیاز جانے کہ بے عطائے الٰہی وہ خود اپنی ذات سے اس کام کی قدرت رکھتا ہے۔ اس معنی کا غیر خدا کے ساتھ اعتقاد ہر مسلمان کے نزدیک شرک ہے۔ نہ ہرگز کوئی مسلمان غیر کے ساتھ اس معنی کا قصد کرتا ہے۔ بلکہ واسطہ وصول فیض و ذریعہ و وسیلہ قضائے حاجات جانتے ہیں۔ اور یہ قطعاً حق ہے۔ خود رب العزۃ تبارک و تعالیٰ نے قرآن عظیم میں حکم فرمایا۔

وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔

اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو۔ ایں معنی استعانت بالغیر ہرگز اس حصر اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے منافی نہیں۔ جس طرح وجود حقیقی کہ خود اپنی ذات سے بے کسی کے پیدا کیے موجود ہونا۔ خاص بجناب الٰہی تعالیٰ و تقدس ہے۔ پھر اس کے سبب دوسرے کو موجود کہنا شرک نہ ہوگیا۔ جب تک وہی وجود حقیقی نہ مراد نہ لے۔

حقائق الاشیاء ثابتۃ۔

پہلا عقیدہ اہل اسلام کا ہے۔ یونہی علم حقیقی کہ اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو۔ اور تعلیم حقیقی کہ بذات خود بے حاجت بدیگر القائے علم کرے اللہ جل جلالہ سے خاص ہیں۔ پھر دوسرے کو عالم کہنا یا اس سے علم طلب کرنا شرک نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہی معنی اصلی مقصود نہ ہوں۔ خود رب العزت تبارک و تعالیٰ قرآن عظیم میں اپنے بندوں کو علیم و علماء فرماتا ہے۔ اور حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد کرتا ہے۔

مشائخ صوفیا کہتے ہیں۔ کہ بعض اولیاء اللہ کا تصرف عالم برزخ میں بھی باقی رہتا ہے۔ اور اُن

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔

یہ نبی انہیں کتاب وحکمت کا علم عطا کرتا ہے۔ یہی حال استعانت و فریاد رسی کا ہے۔ کہ ان کی حقیقت خاص بخدا اور معنی وسیلہ وتوسل وتوسط غیر کے لیے ثابت اور قطعاً رد ا بلکہ یہ معنی تو غیر خدا ہی کے لیے خاص ہیں۔ اللہ عزوجل وسیلہ وتوسل وتوسط بننے سے پاک ہے۔ اس سے اوپر کون ہے۔ کہ یہ اس کی طرف وسیلہ ہوگا۔ اور اس کے سوا حقیقی حاجت روا کون ہے۔ کہ یہ بیچ میں واسطہ بنے گا۔

حدیث میں ہے۔ جب اعرابی نے حضور پرُنور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ سے عرض کی کہ یارسول اللہ ہم حضور کو اللہ تعالیٰ کی طرف شفیع بناتے ہیں۔ اور اللہ عزوجل کو حضور کے سامنے شفیع لاتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سخت گراں گزرا۔ دیر تک سبحٰن اللہ سبحٰن اللہ فرماتے رہے۔ پھر فرمایا۔

وَيْحَكَ إِنَّهُ لَا يُسْتَشْفَعُ بِاللّٰهِ عَلٰى أَحَدٍ شَانُ اللّٰهِ أَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ۔

ارے نادان اللہ کو کسی کے پاس سفارشی نہیں لاتے ہیں۔ اللہ کی شان اس سے بہت بڑی ہے۔ رواہ ابوداود عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اہل اسلام انبیاء اولیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے یہی استعانت کرتے ہیں۔ جو اللہ عزوجل سے کیجیے۔ تو اللہ اور اس کا رسول غضب فرمائیں۔ اور اسے اللہ جل وعلا کی شان میں بے ادبی ٹھہرائیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ استعانت کے معنی اعتقاد کر کے جناب الٰہی جل وعلا سے کرے تو کافر ہو جائے۔ مگر وہابیہ کی بدعقلی کو کیا کہیے۔ نہ اللہ کا ادب نہ رسول سے خوف نہ ایمان کا پاس۔ خواہی نخواہی اس استعانت کو بھی ایاک نستعین میں داخل کر کے جو اللہ عزوجل کے حق میں محال قطعی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ سے خاص کیے دیتے ہیں۔ ایک بیوقوف نے کہا تھا۔ ؎

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے | جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

؎ جل وعلا ؎ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ؎ جل جلالہ ۱۲ منہ ؎ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۱۲ منہ

کی ارواح مقدسہ سے استمداد و استعانت فائدہ مند ہوتا ہے۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ

فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے کہا۔

توسل کر نہیں سکتے خدا سے　　　　اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا سے توسل کرکے اسے کسی کے یہاں وسیلہ وذریعہ بنایئے اسی وسیلہ بننے کو ہم اولیائے کرام سے مانگتے ہیں۔ کہ وہ بارگاہ الٰہی میں ہمارا وسیلہ وذریعہ وواسطہ قضائے حاجات ہو جائیں۔ اس بیوقوفی کے سوال کا جواب اللہ عزوجل نے اس آیہ کریمہ میں دیا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ کرکے تیرے پاس حاضر ہوں پس اللہ سے معافی چاہیں۔ اور معافی مانگے۔ ان کے لیے رسول تو بے شک اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنے آپ نہیں بخش سکتا تھا۔ پھر یہ کیوں فرمایا کہ اے نبی تیرے پاس حاضر ہوں اور تو اللہ سے ان کی بخشش چاہے تو یہ دولت ونعمت پائیں گے۔ یہی ہمارا مطلب ہے جو قرآن کی آیت صاف فرما رہی ہے۔ مگر وہابیہ تو عقل نہیں رکھتے۔ خدارا انصاف اگر آیۃ کریمہ ایاك نستعین میں مطلق استعانت کا ذات الٰہی جل وعلا میں حصر مقصود ہو تو کیا صرف انبیاء و اولیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہی سے استعانت شرک ہوگی کیا یہی غیر خدا ہیں۔ اور سب اشخاص و اشیاء وہابیہ کے نزدیک خدا ہیں۔ یا آیت میں خاص انہیں کا نام لے دیا ہے۔ کہ ان سے شرک اوروں سے روا ہے نہیں۔ نہیں جب مطلقاً ذات احدیت سے تخصیص اور غیر سے شرک ماننے کی ٹھہری۔ تو کیسی ہی استعانت کسی غیر خدا سے کی جائے۔ ہمیشہ ہر طرح شرک ہی ہوگی۔ کہ انسان ہوں یا جمادات احیا ہوں یا اموات ذوات ہوں یا صفات افعال ہوں یا حالات غیر خدا ہونے میں سب داخل ہیں۔ اب کیا جواب ہے۔ آیہ کریمہ کا کہ رب جل وعلا فرماتا ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔

اللہ علیہ نے کہا ہے۔ کہ جو حضرات بحالت زندگی برکات دیا کرتے تھے۔ وہ بعد از وفات توسل

استعانت کرو۔ صبر و نماز سے۔ کیا صبر خدا ہے۔ جس سے استعانت کا حکم ہوا ہے کیا نماز خدا ہے۔ جس سے استعانت کو ارشاد کیا ہے۔

دوسری آیت میں فرماتا ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔

آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو بھلائی اور پرہیزگاری پر۔ کیوں صاحب اگر غیر خدا سے مدد ملنی مطلقاً محال تو اس حکم الٰہی کا حاصل کیا۔ اور اگر ممکن تو جس سے مدد مل سکتی ہے۔ اس سے مدد مانگنے میں کیا زہر گھل گیا۔ حدیثوں کی تو گنتی ہی نہیں۔ بکثرت احادیث میں صاف صاف حکم ہے۔ کہ صبح کی عبادت سے استعانت کرو۔ شام کی عبادت سے استعانت کرو۔ کچھ رات رہے کی عبادت سے استعانت کرو۔ علم کے لکھنے سے استعانت کرو۔ سحری کے کھانے سے استعانت کرو۔ دوپہر کے سونے سے استعانت و صدقہ سے استعانت کرو۔ عورتوں کی خانہ نشینی میں انہیں ننگا رکھنے سے استعانت کرو حاجت روائیوں میں حاجتیں چھپانے سے استعانت کرو۔ کیا یہ سب چیزیں وہابیہ کے خدا ہیں۔ کہ ان سے استعانت کا حکم آیا۔ یہ حدیثیں خیال میں نہ ہوں تو مجھ سے سنیے۔

(۱) البخاری والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم استعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیئ من الدلجۃ۔

(۲) الترمذی عن ابی ھریرۃ

(۳) والحکیم الترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھم عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعن بیمینک علیٰ حفظک۔

(۴) ابن ماجہ والحاکم والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعینوا بطعام السحر علی صیام النہار وبالقیلولۃ علی

قیام اللیل۔

(۵) الدیلمی فی مسند الفردوس عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعینوا علی الرزق بالصدقۃ۔

(۶) ابن عدی فی الکامل عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعینوا علی النساء بالعری فان احدھن اذا کثرت ثیابھا واحسنت زینتھا اعجبھا الخروج

(۷) الطبرانی فی الکبیر والعقیلی وابن عدی وابو نعیم فی الحلیۃ والبیہقی فی الشعب عن معاذ بن جبل رض۔

(۸) والخطیب عن ابن عباس رض۔

(۹) والخلعی فی فوائدہ عن امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رض۔

(۱۰) والخرائطی فی اعتلال القلوب عن امیر المؤمنین عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعینوا علی انجاح الحوائج بالکتمان۔

یہ دس حدیثیں تو افعال سے استعانت میں ہوئیں۔ بیس حدیثیں اشخاص سے استعانت میں لیجیے۔ کہ تیس احادیث کا عدد کامل ہو۔

احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ بسند صحیح ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

انا لا نستعین بمشرک۔

ہم کسی مشرک سے استعانت نہیں کرتے۔ اگر مسلمان سے استعانت بھی ناجائز ہوتی تو مشرک کی تخصیص کیوں فرمائی جاتی ولہذا امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک نصرانی غلام وثیق نامی سے کہ دنیاوی طور کا امانت دار تھا۔ ارشاد فرماتے۔

سے ثابت ہے۔ اور بحالت حیات اور بعد وفات ہر حالت میں روح کام کرتا رہتا ہے۔ ان

اَسْلِمْ اَسْتَعِنْ بِكَ عَلَى اَمَانَةِ الْمُسْلِمِيْنَ ۔

مسلمان ہو جا کہ میں مسلمانوں کی امانت پر تجھ سے استعانت کروں۔ وہ نہ مانتا تو فرماتے ہم کافر سے استعانت نہ کریں گے۔

امام بخاری تاریخ میں حبیب بن لیساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے۔

انا لا نستعین بالمشرکین علی المشرکین۔

ہم مشرکوں سے مشرکوں پر استعانت نہیں کرتے۔

ورواہ الامام احمد ایضا۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن نسائی میں ہے۔ چند قبائل عرب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استعانت کی حضور والا نے مدد عطا فرمائی۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتاہ رعل و ذکوان وعصیۃ وبنولحیان فزعموا انھم قد اسلموا واستمدوہ علی قومھم فامدھم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الحدیث۔

صحیح مسلم وابوداؤد وابن ماجہ ومعجم کبیر طبرانی میں ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ حضور پر نور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ کہ ہم تجھے عطا فرمائیں۔ عرض کی میں حضور سے سوال کرتا ہوں۔ کہ جنت میں حضور کی رفاقت عطا ہو۔ فرمایا بھلا اور کچھ عرض کی۔ بس میری مراد تو یہی ہے۔ فرمایا۔ تو میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجود سے۔

قال کنت ابیت مع رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاتیتہ بوضوئہ وحاجتہ فقال لی سل۔ ولفظ الطبرانی فقال یوما یا ربیعۃ سلنی فاعطیك رجعنا الی لفظ مسلم قال فقلت

کو تصرف سے کوئی تعلق نہیں۔ اور متصرف حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اسألك مرافقتك فی الجنۃ قال او غیر ذلك قلت هو ذاك قال فاعنی علیٰ نفسك بکثرۃ السجود۔

الحمدللہ یہ جلیل ونفیس حدیث صحیح اپنے ہر ہر فقرہ سے وہابیت کش ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اَعِنِّی فرمایا کہ میری اعانت کر۔ اسی کو استعانت کہتے ہیں۔ یہ درکنار حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطلق طور پر سَلْ فرمانا کہ مانگ کیا مانگتا ہے جان وہابیت پر کیسا پہاڑ ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضور ہر قسم کی حاجت روا فرما سکتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں۔ جب تو بلا تقیید و تخصیص فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ القوی شرح مشکوٰۃ شریف میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں۔ از اطلاق سوال کہ فرمود سل بجدو تخصیص نکرد بمطلوبی خاص معلوم میشود کہ کارہمہ بدست ہمت وکرامت اوست صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرچہ خواہد وہر کرا خواہد باذن پروردگار خود دہد

فان من جودك الدنیا وضرتها ومن علومك علم اللوح والقلم

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔

یؤخذ من اطلاقه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الامر بالسؤال ان اللہ تعالیٰ مکنه من اعطاء کل ما اراد من خزائن الحق۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو مانگنے کا حکم مطلق دیا۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے۔ کہ اللہ عزوجل نے حضور کو قدرت بخشی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں پھر لکھا۔

وذکر ابن سبع فی خصائصه وغیره ان اللہ تعالیٰ اقطعه ارض الجنۃ یعطی منها ما شاء لمن یشاء۔

یعنی امام ابن سبع وغیرہ علماء نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص کریمہ میں ذکر کیا ہے۔ کہ جنت کی زمین اللہ عزوجل نے حضور کی جاگیر کر دی ہے۔ کہ اس میں سے

— ولایت کے معانی :۔ ولایت کے معانی فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے ہیں۔ یہ نسبت

جو چاہیں جسے چاہیں بخش دیں۔

امام اجل سیدی ابن حجر مکی قدس سرہٗ الملکی جوہر منظم میں فرماتے ہیں۔

انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ الذی جعل خزائن کرمہ وموائد نعمہ طوع یدیہ وتحت ارادتہ یعطی منہا من یشاء ویمنع من یشاء

بے شک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے خلیفہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم کے خزانے اور اپنی نعمتوں کے خوان حضور کے دست قدرت کے فرمانبردار اور حضور کے زیر حکم ارادہ واختیار کر دیے ہیں۔ کہ جسے چاہیں عطا فرماتے ہیں۔ اور جسے چاہیں نہیں دیتے۔

پھر اس جلیل حدیث میں سب سے بڑھ کر جان وہابیت پر کیسی آفت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود حضور سے جنت مانگی کہ۔

اسألك مرافقتك فی الجنۃ۔

یا رسول اللہ میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں رفاقت والا سے مشرف ہوں۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اطلبوا الخیر عند حسان الوجوہ۔

خیر طلب کرو نیک رویوں کے پاس۔

وفی لفظ اطلبوا الخیر والحوائج من حسان الوجوہ۔

نیکی اور حاجتیں خوبصورتوں سے مانگو۔

وفی لفظ اطلبوا الحاجات عند حسان الوجوہ۔

حاجتیں خوش جمالوں کے پاس طلب کرو۔

اذا ابتغیتم المعروف فاطلبوہ عند حسان الوجوہ۔

ملاقات کے بعد اور زیادہ کامل اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ اہل کشف اور محققین کے نزدیک یہ بات

جب نیکی چاہو تو خوبرویوں کے پاس طلب کرو۔

وفی لفظ اذا طلبتم الحاجات فاطلبوها عند حسان الوجوہ۔

جب حاجتیں طلب کرو تو خوش چہروں کے پاس طلب کرو۔

وفی لفظ بزیادۃ فان قضی حاجتک قضاھا بوجہ طلق وان ردک ردک بوجہ طلق۔

کہ خوش جمال آدمی اگر تیری حاجت روا کرے گا تو کشادہ روئی اور تجھے پھیرے گا۔ تو بکشادہ پیشانی۔

اخرجہ الامام البخاری فی التاریخ وابوبکر بن ابی الدنیا فی قضاء الحوائج وابویعلی فی مسندہ والطبرانی فی الکبیر والعقیلی وابن عدی و البیھقی فی شعب الایمان وابن عساکر۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ یا حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

قد سمعنا نبینا قال قولا ۔۔۔ ھو لمن یطلب الحوائج راحۃ
اغتدوا واطلبوا الحوائج ممن ۔۔۔ زین اللہ وجھہ بصباحۃ

یعنی بے شک ہم نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک بات فرماتے سنا کہ وہ حاجت مانگنے والوں کے لیے آسائش ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ صبح کرو اور حاجتیں اس سے مانگو جس کا چہرہ اللہ تعالیٰ نے گورے رنگ سے آراستہ کیا ہے۔ رواہ العسکری

حضور پرنور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلی آلہ فرماتے ہیں۔

اطلبوا الفضل عند الرحماء من امتی تعیشوا فی اکنافھم فان فیھم رحمتی۔

فضل میرے رحم دل امتیوں کے پاس طلب کرو۔ کہ ان کے سائے میں چین کرو گے۔ کہ ان میں میری رحمت ہے۔

وفی لفظ اطلبوا الحوائج الی ذوی الرحمۃ من امتی ترزقوا وتنجحوا۔

ثابت ہے۔ کہ زیارت کرنے والے کی روح اہل مزار کی روح سے انوار و اسرار کا عکس قبول کرتی

اپنی حاجتیں میرے رحم دل امتیوں سے مانگو۔ رزق پاؤ گے مرادیں پاؤ گے۔

و فی لفظ قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول اللہ عز وجل اطلبوا الفضل من الرحماء من عبادی تعیشوا فی اکنافهم فانی جعلت فیهم رحمتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فضل میرے رحم دل بندوں سے مانگو۔ ان کے دامن میں عیش کرو گے۔ کہ میں نے اپنی رحمت ان میں رکھی ہے۔

رواہ باللفظ الاول ابن حبان والخرائطی فی مکارم الاخلاق والقضاعی فی مسند الشهاب والحاکم فی التاریخ وابو الحسن الموصلی وبالثانی العقیلی والطبرانی فی الاوسط وبالثالث العقیلی کلهم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنه۔

کہ حضور والا ارشاد فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اطلبوا المعروف من رحماء امتی تعیشوا فی اکنافهم۔

میرے نرم دل امتیوں سے نیکی و احسان مانگو۔ ان کے ظل عنایت میں آرام کرو گے۔

اخرجه الحاکم فی المستدرک عن امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجهه الاسنیٰ

کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اذا ضل احدکم شیئا واراد عونا وهو بارض لیس بها انیس فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی فان للہ عبادا لا یراهم

جب تم میں کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا راہ بھولے اور مدد چاہے اور ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ہمدم نہیں تو اسے چاہیے یوں پکارے۔ اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں یہ نہیں دیکھتا۔ وہ اس کی مدد کریں گے۔ والحمد للہ رواہ الطبرانی

ہے۔ جیسے ایک آئینے کے مقابلے میں دوسرا آئینہ رکھا جائے۔ اور اس میں عکس پڑے۔ اولیاء اللہ

عن عتبۃ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب جنگل میں جانور چھوٹ جائے۔

فلیناد یا عباد اللہ احبسوا۔

تو یوں ندا کرے۔ اے اللہ کے بندوں روک دو اللہ اسے روک دیں گے۔

رواہ ابن السنی عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ یوں ندا کرے۔

اعینوا یا عباد اللہ۔

مدد کرو اے اللہ کے بندو۔

رواہ ابن ابی شیبۃ والبزار عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

شفاء السقام امام علامہ مجتہد فہامہ سیدی تقی الملۃ والدین علی بن عبد الکافی وکتاب الاذکار امام اجل اکمل سیدی ابوزکریا نووی واحیاء العلوم وغیرہ تصانیف عظیمہ امام الامام حجۃ الاسلام قطب الوجود محمد غزالی وروض الریاحین وخلاصۃ المفاخر ونشر المحاسن وغیرہا تصانیف جلیلہ امام اجل اکرم عارف باللہ فقیہ محقق عبد اللہ بن اسعد یافعی وحصن حصین امام شمس الدین ابوالخیر ابن جزری ومدخل امام ابن الحاج محمد عبدری مکی ومواہب لدنیہ ومنح محمدیہ امام احمد قسطلانی وافضل القری لقراء ام القری وجوہر منظم وعقود الجمان وغیرہ تصانیف امام عارف باللہ سیدی ابن حجر مکی ومیزان امام اجل عارف باللہ عبد الوہاب شعرانی وحرز ثمین ملا علی قاری ومجمع بحار الانوار علامہ طاہر فتنی ولمعات التنقیح واشعۃ اللمعات وجذب القلوب ومجمع البرکات ومدارج النبوۃ وغیرہا تالیف شیخ شیوخ علماء الہند مولنا عبد الحق محدث دہلوی وفتاوے خیریہ علامہ خیر الملۃ والدین رملی ومراقی الفلاح علامہ حسن وفائی شرنبلالی و مطالع المسرات علامہ فاسی وشرح مواہب علامہ محمد زرقانی ونسیم الریاض علامہ شہاب الدین خفاجی وغیرہا تصانیف کثیرہ علمائے کرام وسادات اسلام جن کی تحقیق وتنقیح واثبات وتصریح استمداد واعانت سے زمین وآسمان گونج رہے ہیں۔

کے مثالی بدن بھی ہوتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہو کر وہ طالبان امداد کی دستگیری کرتے رہتے ہیں جو

تصحیح المسائل و سیف الجبار و بوارق محمدیہ وغیرہا تصانیف نفیسہ عماد الستہ معین الحق حضرت مولانا فضل رسول قدس سرہٗ المقبول بھی دیکھیں یہ تو عام فہم زبان اردو فارسی میں خاص تمہارے ہی مذہب میں تصنیف ہوئیں۔ اور بحمد اللہ بارہا مطبوع ہو کر راحت قلوب صادقین و غیظ صدور معارضین ہوا کیں علی الخصوص کتاب جلیل فیوض ارواح قدس جس میں خاص خاندان عزیزی کے صدہا اقوال صریحہ قاتل وہابیت قبیحہ منقول ہیں۔

درباره استعانت صوفیہ کرام کے اقوال افعال احوال اعمال سے دفتر بھرے ہیں۔ دریا بہ رہے ہیں۔ اس ویدے کی صفائی کا کیا کہنا۔ ذرا آنکھوں پر ایمان کی عینک لگا کر حضرت شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کا ترجمہ مشکوٰۃ شریف ملاحظ ہو۔ اس مسئلہ میں حضرات اولیائے کرام قدست اسرارہم سے کیا ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ آنچہ مروی و محکی ست از مشائخ اہل کشف در استمداد از ارواح کمل و استفادہ ازاں خارج از حصر ست و مذکور ست در کتب و رسائل ایشاں و مشہور ست میاں ایشاں حاجت نیست کہ آنرا ذکر کنیم و شاید کہ منکر متعصب سود نہ کند اور اکلمات ایشاں عافانا اللہ من ذٰلک۔

اللہ اکبر ان منکران بے دولت کی بے نصیبی۔ یہاں تک پہنچی کہ اکابر علماء عرفا کو کلمات حضرات اولیائے کرام سے انہیں نفع پہنچنے کی امید نہ رہی اور فی الواقع ایسا ہی ہے۔ یوں نہ مانئے۔ تو آزمالیجیے۔ اور ان ہزار در ہزار ارشادات بے شمار سے امتحاناً صرف ایک کلام پاک فرزند دلبند صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کریں جو تجرع اعاظم اولیا سید الاولیا و امام الاصفیا و قطب الاقطاب و تاج الافراد و مرجع الابدال و مفزع الافراد اور باعتراف اکابر علما امام شریعت و سردار امت و محی دین و ملت و نظام طریقت و بحر حقیقت و عین ہدایت و دریائے کرامت ہے۔ وہ کون ہاں وہ سید الاسیاد و اہب المراد سیدنا و مولٰنا و ملاذنا و ملونا و غوثنا و غیثنا حضرت قطب عالم و غوث اعظم سید ابو محمد عبد القادر حسنی حسینی جیلانی صلی اللہ تعالیٰ علی جدہ الاکرام و علی آلہ و علیہ و بارک وسلم اور وہ

ل اس بات کے منکر ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

کلام پاک نہ ایسا کہ کسی ایسے ویسے رسالے یا محض زبانوں پر مشہور ہو۔ بلکہ اکابر واجلہ ائمہ کرام وعلمائے عظام مثل امام اجل عارف باللہ سید القراء ثقہ ثبت حجت فقیہ محدث راویۃ الحضرۃ العلیۃ القادریۃ سیدنا امام ابوالحسن نورالدین علی بن جریر لخمی شطنوفی پھر امام اکرم شیخ الفقہا فرد العرفا عالم ربانی عامل نوائے حکمت یمانی سیدنا امام عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی مکی پھر فاضل اجل فقیہ اکمل محدث اجمل شیخ الحرم المحترم مولنا علی قاری حنفی ہروی مکی وبقیۃ السلف جلیل الشرف صاحب کرامات عالی وبرکات ومعالی مولنا محمد ابوالمعالی مسلمی معالی پھر شیخ شیوخ علماء الہند محقق فقیہ عارف نبیہ مولنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کبرائے ملت وعظمائے امت قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم وافاض علینا من برکاتہم وانوارہم نے اپنی تصانیف جلیلہ جمیلہ معتمدہ مستندہ مثل بہجۃ الاسرار شریف وخلاصۃ المفاخر ونزہۃ الخاطر الفاتر وتحفہ قادریہ واخبار الاخیار وزبدۃ الآثار وغیرہا میں ذکر وروایت فرمایا کہ حضور پرنور جگر پارہ شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ فعلیہ وبارک وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ من استغاث بی فی کربۃ کشف عنہ ومن نادانی باسمی فی شدۃ فرجت عنہ من توسل بی الی اللہ فی حاجۃ تضیت حاجتہ ومن صلی رکعتین یقرؤ فی کل رکعۃ بعد الفاتحۃ سورۃ الاخلاص احدی عشرۃ مرۃ ثم یصلی ویسلم علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد السلام من التشہد احدی عشرۃ مرۃ ویذکرہ ثم یخطو الی جہۃ العراق احدی عشرۃ خطوۃ ویذکر اسمی ویذکر حاجتہ فانہا تقضی باذن اللہ تعالیٰ۔

جو کسی مصیبت میں مجھ سے فریاد کرے۔ وہ مصیبت دور ہو اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر ندا کرے۔ وہ سختی دفع ہو۔ اور جو اللہ عزوجل کی طرف کسی حاجت میں مجھے وسیلہ کرے۔ وہ حاجت پوری ہو۔ اور جو دو رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں بعد فاتحہ گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھے۔ پھر سلام پھیر کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر گیارہ بار درود

چار اولیا قبروں میں زندہ ہیں :۔ مشائخ میں سے ایک بزرگ نے فرمایا تھا کہ میں نے

وسلام بھیجے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یاد کرے۔ پھر بغداد شریف کیطرف گیارہ قدم چلے اور میرا نام لے اور اپنی حاجت ذکر کرے۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ حاجت روا ہو۔

یقول العبد صدقت یا سیدی یا مولانی رضی اللہ تعالیٰ عنك و عن کل من کان لك و منك فالحمد للہ الذی جعلك وارث ابیك المرسل رحمۃ و مولی النعمۃ وصلی اللہ تعالیٰ علی ابیك وعلیك وعلی کل من انتمی الیك وبارك وسلم وشرف وکرم امین امین یا ارحم الراحمین۔ والحمد للہ رب العلمین۔

حضرت ابو المعالی قدس سرہٗ العالی کی روایت میں الفاظ کریمہ۔

كَشَفْتُ ــــ فَرَّجْتُ ــــ قَضَيْتُ ــــ بصیغۂ متکلم

معلوم ہیں۔ وہ ان کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔ عمر بزاز قدس سرہٗ میگوید من شنیدہ ام از حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ ہر کہ در کربتے بمن استغاثہ کند كَشَفْتُ عَنْهُ۔ و در گردانم آن کربت را ازو و ہر کہ در شدتے بنام من ندا کند فرجت عنہ خلاص بخشم اور از اں شدت و ہر کہ در حاجتے توسل بمن کند در حضرت جل وعلا قضیت لہ حاجت اور ابرآرم علامہ علی قاری بعد ذکر روایت فرماتے ہیں۔

وقد جرب ذلك مرارا فصح رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

بے شک یہ بارہا تجربہ کیا گیا ٹھیک اترا اللہ کی رضا حضرت شیخ پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

امام علامہ خاتمۃ المجتہدین تقی الملۃ والدین فقیہ محدث ناصر السنۃ ابو الحسن علی بن عبد الکافی سبکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب مستطاب شفاء السقام میں استمداد و اعانت کو بہت احادیث صریحہ سے ثابت کرکے ارشاد فرماتے ہیں۔

لیس المراد نسبۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی الخلق والاستقلال بالافعال ھذا الا یقصدہ مسلم فصرف الکلام الیہ ومنعہ من باب

التلبیس فی الدین والتشویش علیٰ عوام الموحدین۔

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور کو خالق اور فاعل مستقل ٹھہراتے ہوں۔ یہ تو کوئی مسلمان ارادہ نہیں کرتا۔ تو اس معنی پر کلام کو ڈھال کر استعانت سے منع کرنا۔ دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔ صدقت یا سیدی جزاک اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرا۔ آمین۔

فقیہ محدث علامہ محقق عارف باللہ امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی کتاب افادت نصاب جوہر منظم میں حدیثوں سے استعانت کا ثبوت دے کر فرماتے ہیں۔

فالتوجہ والاستغاثۃ بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبغیرہ لیس لہما معنی فی قلوب المسلمین غیر ذٰلک ولا یقصد بہما احد منہم سواہ فمن لم ینشرح صدرہ لذٰلک فلیبک علیٰ نفسہ نسأل اللہ العافیۃ والمستغاث بہ فی الحقیقۃ ھو اللہ والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واسطہ بینہ وبین المستغیث فھو سبحنہ مستغاث بہ والغوث منہ خلقا وایجادا والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مستغاث بہ والغوث منہ سببا وکسبًا۔

یعنی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا حضور کے سوا انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کی طرف توجہ اور ان سے فریاد کے یہی معنی مسلمانوں کے دل میں ہیں۔ اس کے سوا کوئی مسلمان اور معنی نہیں سمجھتا ہے۔ نہ قصد کرتا ہے تو جس کا دل اسے قبول نہ کرے۔ وہ آپ اپنے حال پر روئے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے ہیں حقیقۃً فریاد اللہ عزوجل کے حضور ہے۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے اور اس فریادی کے بیچ میں وسیلہ و واسطہ ہیں۔ تو اللہ عزوجل کے حضور فریاد ہے۔ اور اس کی فریاد رسی یوں ہے۔ کہ مراد کو خلق و ایجاد کرے۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور فریاد ہے۔ اور حضور

ان کی زندگی کی حالت سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ ایک خواجہ معروف کرخی رضی اللہ عنہ اور دوسرے

کی فریاد رسی یوں ہے۔ کہ حاجت روائی کے سبب ہوں اور اپنی رحمت سے وہ

کام کریں جس کے باعث اس کی حاجت روا ہو۔

ایمان سے کنایہ وہی علما ہیں۔ جن پر تم انکار استعانت کا بہتان اٹھاتے ہو۔ مگر

ہے یہ کہ حیا وہابیہ کے پاس ہو کر نہ نکلی۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم اذا لم تستحی فاصنع ما شئت۔ ع

بے حیا باش وہرچہ خواہی کن

شاہ ولی اللہ صاحب ہمعات میں لکھتے ہیں:

امروز اگر کسے را مناسبت بروح خاص پیدا شود و از آنجا فیض بردارد غالبا بیروں نیست

ازانکہ ایں معنی بہ نسبت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باشد یا بہ نسبت حضرت امیر المومنین

علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ یا بہ نسبت غوث الاعظم جیلانی۔

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

محبوبیت بیان کر کے فرماتے ہیں۔

ایں مرتبہ ازاں مراتب ست کہ ہیچکس را از بشر ندادہ اند مگر بطفیل ایں محبوب برخے از اولیائے

امت او را شمہ محبوبیت آں نصیب شدہ و مسجود خلائق و محبوب دلہا گشتہ اند مثل حضرت

غوث الاعظم و مشائخ المشائخ نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہما۔

مرزا مظہر جانجاناں اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں۔

آنچہ در تاویل قول حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ

کل ولی اللہ نوشتہ اند۔

انہیں کے ملفوظات میں ہے:۔

التفات غوث الثقلین بحال متوسلاں طریقہ علیہ ایشاں بسیار معلوم شد باہیچکس از اہل

ایں طریقہ ملاقات نشدہ کہ توجہ مبارک آنحضرت بحالش مبذول نیست الخ۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی سیف المسلول میں لکھتے ہیں۔

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ دوسرے دو بزرگوں کے نام بھی بتائے گئے۔

فیوض و برکات کارخانہ ولایت اول بریک شخص نازل میشود وازاں تقسیم شدہ بہریک از اولیائے عصر میرسد و ہیچکس از اولیاء اللہ بے توسط او فیضی نمیرسد ایں منصب حالی تا وقت ظہور سید الشرفا غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی بروح حسن عسکری علیہ السلام متعلق بودہ چوں حضرت غوث الثقلین پیدا شد ایں منصب مبارک بوئے متعلق شد وتا ظہور محمد مہدی ایں منصب بروح مبارک غوث الثقلین متعلق باشد و لہذا آنحضرتؓ "قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ" فرمودہ وقول غوث الثقلین "اخی وخلیلی کان موسیٰ بن عمران" نیز براں دلالت دارد اھ ملخصا۔

یہ سب ایک طرف خود امام الطائفہ میاں اسمٰعیل دہلوی کے بھاری پتھر کا کیا علاج صراط مستقیم میں اپنے پیر جی کا حال لکھتے ہیں:۔

روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین وجناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ۔

اسی میں ہے:۔

شخصیکہ در طریقہ قادریہ قصد بیعت می کند البتہ اعادہ جناب حضرت غوث الاعظم اعتقادے عظیم بہم میرسد (الی قولہ) کہ خود را از زمرہ غلاماں آنجناب میشمار د اھ ملخصا۔

اسی میں ہے:۔

اولیائے عظام مثل حضرت غوث الاعظم وحضرت خواجہ بزرگ الخ۔

یہی امام الطائفہ اپنی تقریر ذبیحہ مندرج مجموعہ زبدۃ النصائح میں لکھتے ہیں:۔

اگر شخصے بزے را خانہ پرورکند تا گوشت او خوب شود و او را ذبح کردہ و پختہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواندہ بخوراند خللے نیست۔

ایمان سے کہیو غوث الاعظم کے یہی معنی ہوئے کہ سب سے بڑے فریاد رس یا کچھ اور خدا کو ایک جان کر کہنا غوث الثقلین کا یہی ترجمہ ہوا کہ جن و بشر کے فریاد رس یا کچھ اور؟

یہ نکتہ چونکہ تفصیل طلب ہے۔ خدا نے چاہا تو ہم اس پر ایک مستقل کتاب لکھیں گے۔ اور تھوڑا سا تذکرہ تو ہم اپنی کتاب "جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب" میں کر آئے ہیں۔

افضل الانبیاء :-

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ حضور ہی کو نبوت ظاہری معجزوں اور مکمل نشانیوں سے ثابت ہوئی جن کی نقل تواتر کے درجہ تک پہنچتی ہے۔ ہر ایک نبی کے معجزے ایک دو مقاصد کے لیے ظاہر ہوئے۔ مگر نبی علیہ السلام کے معجزات تمام مقاصد کے لیے دلیل نبوت بن کر آئے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور کا تصرف تمام اجزائے عالم پر تھا زمین آسمان۔ ملک۔ ملکوت غرضیکہ جو کمالات سابقہ انبیاء کی ذات مقدسہ میں انفرادی طور پر پائے جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اجتماعی طور پر بدرجہ اتم پائے گئے۔

؎ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ۔

میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔ اور یہ فخر نہیں کہتا۔ ولد آدم اور بنی آدم کا لفظ جنس آدم کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ پس آدم علیہ السلام بھی اسی میں داخل ہیں۔ دوسری حدیث میں فرمایا۔

اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَہٗ تَحْتَ لِوَائِیْ۔

آدم علیہ السلام اور اس کے علاوہ تمام ہی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

حضور علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بزرگی و مرتبہ حاصل ہے۔ ان کے بعد حضرت موسیٰ۔ عیسیٰ اور نوح علیہم السلام کا مقام آتا ہے۔ یہ پانچوں رسول اولوالعزم مانے جاتے ہیں۔ اور تمام انبیاء و رسل سے برگزیدہ مانے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ان انبیا کا حصہ اور مجاہدہ بھی بہت زیادہ ہے۔

قرآن ایک معجزہ ہے :-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن حکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی قدیم ہے۔ اور اس کا کلام بھی قدیم ہے۔ روز قیامت تک دنیا میں محفوظ رہے گا۔ دوسرے معجزے بظاہر

ہوتے ہیں اور گذر جاتے ہیں۔ مگر قرآن کریم ابدی معجزہ اور زمانہ گذرنے کے باوجود زندہ اور ثابت رہے گا۔ اور ہر دور میں مشاہدہ میں آتا رہے گا۔ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر یہ بات بہت بڑی دلیل ہے کہ ان قریش کے سامنے جو تمام عرب میں فصاحت و بلاغت کے امام مانے جاتے تھے۔ اور نبی علیہ السّلام اور دین اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ یہ دعویٰ پیش کیا گیا۔ کہ

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ -

اگر تم اس کلام میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے۔ کسی شک میں ہو۔ اس کی طرح ایک سورۃ ہی لے آؤ۔

آج تک اس قرآن سے کسی صاحب کو جواب نہیں بن آیا۔ عرب میں اس وقت عربی زبان فصاحت و بلاغت میں نکتہ عروج کو پہنچ چکی تھی۔ وہ لوگ فصاحت کے امام تھے۔ وہ اپنی فصاحت کا سکہ چار دانگ عالم پر بٹھا چکے تھے۔ ایسے عالم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول کو فصاحت و بلاغت کی ایک معجزہ آفرین کتاب دے کر بھیجا۔ کیونکہ دوسرے انبیاء بھی اپنے اپنے وقت کے کمالات کو سرنگوں کرنے کے لیے ویسے ہی معجزے لاتے تھے۔ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں لوگ جادو کے چنگل میں گرفتار تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب بام عروج پر تھی۔ چنانچہ انہیں ویسے ہی معجزے عطا کیے گیے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعثت کے وقت چوں کہ فصاحت و بلاغت کا چرچا تھا۔ آپ کو قرآن کی فصاحت و بلاغت سے مؤید فرمایا۔

غور کا مقام ہے۔ کہ وہی زبان جسے عرب بولتے تھے۔ سمجھتے تھے۔ اور چھوٹے بڑے جانتے تھے۔ قرآن نے پیش کی۔ مگر قرآن کی آیات کے سامنے انہوں نے اپنے عجز و شکست کا اعتراف کیا۔ اور ساری عرب دنیا قرآن کے مقابلہ میں ایک آیت بھی پیش نہ کر سکی۔

—— قرآن کا اعجاز :۔

جب قرآن کی پہلی آیت — اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ — نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ اس وقت کے فصحاء عرب کا طریقہ تھا۔ کہ جس کلام کو فصاحت کے لحاظ سے بہت اونچا خیال کرتے تھے۔ اسے شہرت دوام بخشتے۔ اور دوسرے اہل علم پر اظہار کمال کرنے کے لیے کعبۃ اللہ کے دروازے پر لٹکا دیا

کرتے تھے۔ تاکہ ہر شخص اسے دیکھ سکے۔ جب کلام ربانی پر ان لوگوں کی نظریں پڑیں۔ اور کلام کی متانت اور طرز بیان پر غور کیا تو حیران رہ گئے۔ برملا کہہ اٹھے۔ کہ یہ کلام آدمیوں کا نہیں۔ بلکہ انسان ایسا کلام لانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

معتزلہ کا ایک طبقہ کہتا ہے۔ کہ قرآن پاک کی طرح کلام تالیف کرنے کی تو وہ لوگ طاقت رکھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے سامنے ان کی قوت گویائی اور ہمتوں کو پست کر دیا تھا۔ تاکہ وہ اس کا معارضہ اور مقابلہ نہ کر سکیں۔ ان کی زبانوں پر مہریں لگ گئیں۔ بریں وجہ وہ ایک آیت مقابلہ میں نہ لا سکے۔ اور اس میدان میں شکست کھا گئے۔

معتزلہ کے اس اعتراض میں گو وزن نہیں۔ لیکن پھر بھی یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے۔ کہ وہ لوگ ایسا کلام لانے کی قدرت و قوت رکھنے کے باوجود بھی اور مقابلہ و معارضہ کی پوری خواہش کے باوجود ان کی ہمتیں جواب دے گئیں۔ اور ان کی زبانیں اس قدر بند ہو گئیں کہ وہ ایک آیت نہ لا سکے۔ معتزلہ دراصل اپنے بودے اعتراضات اور بیہودہ استدلال سے قرآن پاک کے اعجاز کا براہ راست اعتراف کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ انہیں کن حالات کے پیش نظر یہ معلوم ہوا کہ وہ لوگ ایسا کلام پیش کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرح اپنا کلام لانے پر قادر نہیں ہے۔ ورنہ آج تک کوئی نہ کوئی تو مقابلہ میں لاتا۔ اس مضمون کو قرآن پاک خود بطور دعویٰ پیش کرتا ہے تاکہ جسے بھی ہمت ہو۔ اس چیلنج کو قبول کرلے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ	اے محمدؐ ان لوگوں کو فرمادیں۔ کہ اگر تمام جن و
عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ	انس قرآن کا مثل لانے کے لیے جمع ہو جائیں۔
بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○	تو نہ لا سکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کی امداد پر آمادہ ہو جائیں

اگر نبی علیہ السلام کی عادات کریمانہ۔ عظیم سیرت اور اعلیٰ کردار پر غور کریں تو یقین کرنا پڑے گا۔ کہ آپ کا سراپا اللہ تعالیٰ کے اعجاز اور قدرت کا ایک کامل نمونہ ہے۔

ہر جلوۂ جمال ترا ناز دیگر است — ہر نغمۂ کمال ترا ساز دیگر است

اعجاز سخن را بسخن ہست احتیاج — ہر غمزۂ زچشم تو اعجاز دیگر است

ـــــ تمام مخلوقات کے نبی :-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات کے نبی ہیں جن وانس تمام آپ کے لواۓ نبوت کے زیر سایہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو رسول الثقلین کہا جاتا ہے۔ آپ کی خدمت میں جنّات کا آنا قرآن سننا۔ ایمان لانا۔ اور پھر اپنے ساتھیوں کو قرآن کی تعلیم دینا۔ ساری چیزیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اکثر علماء کی رائے ہے۔ کہ عام جن اور انسانوں پر آپ کی نبوت آپ کا خاصا ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ بلا شبہ جنّات مکلف ہیں۔ اور مکلف وہی ہو سکتا ہے۔ جو پیغمبر سے یا کسی صادق القول سے روایت سنے۔ یہ مسئلہ بھی متفق علیہ ہے کہ جنّات میں کوئی نبی نہیں ہوا۔

قرآن پاک میں جنات کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں۔

قَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔

جنوں نے کہا! اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی۔ جو حضرت موسیٰ کے بعد اتری ہے۔ وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اور حق بات بیان کرتی ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ یہ جن پہلے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر چلتے تھے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنّات مختلف پیغمبروں پر ایمان لاتے رہے ہیں۔ لیکن ان کے سامنے نہیں آتے تھے۔ فقط کتاب اللہ کو سن کر اور شریعت کے احکام کو معلوم کر کے ہی عمل کرلیا کرتے تھے۔ ان پیغمبروں نے بر بالمشافہ جنوں کو دعوت اسلام نہیں دی۔ مگر جناب رسالتماب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو خطاب کیا اور دعوت فرمائی۔ جنوں کو بالمشافہ دعوت ایمان دینا حضور کی خصوصیات میں سے ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضحاک کا یہی مذہب ہے۔ اور یہی بات صحیح ہے۔ بعض علماء کی تحقیق ہے۔ کہ آپ کی رسالت فرشتوں پر بھی ہے۔ مگر یہ بات شاذ ہے۔ محققین کے نزدیک آپ کی رسالت کائنات کے ذرہ ذرہ اور موجودات کے گوشہ گوشہ تک ہے۔ اس میں جمادات۔ نباتات اور حیوانات سے شامل ہیں پتھروں کا سلام کرنا۔ درختوں کا سجدہ کرنا۔ جانور

کا آپ کی رسالت کی گواہی دینا ۔ اس بات کی دلیل ہے ۔ کہ آپ کی رسالت عام ہے ۔ فرق صرف اتنا ہے ۔ کہ انسان اور جنات تو اپنے اعمال و افعال میں اختیار دیئے گئے ہیں ۔ اسی وجہ سے ان سے کفر اور گناہ صادر ہوتا ہے ۔ مگر باقی اشیاء بجز اطاعت و ایمان کچھ ظاہر نہیں ہوتا ۔ وہ فرشتوں کی طرح محض وہی کام کرتی ہیں جس کے لیے پیدا کی گئی ہیں ۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے ۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ ہم نے اپنے رسول کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ۔

معراج بیداری کے عالم میں

حضور علیہ السلام کو بیداری کے عالم میں جسم مبارک کے ساتھ ہی معراج ہوا ۔ آپ زمین سے آسمان تک اور پھر اس کے بعد جہاں تک اللہ نے چاہا جسم مبارک کے ساتھ گئے ۔ ایمان کا امتحان تو واقعہ معراج پر ہے ۔ کہ اتنے تھوڑے وقفہ میں بیداری کے عالم میں جسم اطہر کے ساتھ عرش اعظم سے آگے بلکہ لامکان سے بڑھ کر ان تمام واقعات و خصوصیات کے ساتھ جو صحیح حدیثوں میں درج ہیں ۔ حضور علیہ السلام کی سیر کو تسلیم کرنا اور اس کی تصدیق کرنا ایمان کی علامت ہے ۔ یہ نسبت عالم اور رحمانیت میں تحقیق شدہ ہے ۔ وہ زمانہ کی تنگ دامانی اور اطراف سے بالا ہے ۔ بزرگان اہل کشف و شہود نے اسے صریحاً بیان کیا ہے ۔ ؎

امام اجل سیدی محمد بوصیری قدس سرہٗ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں ؎

سریت من حرم لیلا الی حرم — کما سری البدر فی داج من الظلم

وبت ترقی الی ان نلت منزلۃ — من قاب قوسین لم تدرک ولم ترم

خفضت کل مقام بالاضافۃ اذ — نودیت بالرفع مثل المفرد العلم

فحزت کل فخار غیر مشترک — وجزت کل مقام غیر مزدحم

یعنی یا رسول اللہ حضور رات کے ایک تھوڑے سے حصے میں حرم مکہ معظمہ سے بیت الاقصیٰ کی طرف تشریف فرما ہوئے ۔ جیسے اندھیری رات میں چودھویں کا چاند چلے اور حضور اس شب میں ترقی فرماتے رہے ۔ یہاں تک کہ قاب قوسین [illegible] حضور نے اس نسبت

سے تمام مقامات کو پست فرما دیا۔ جب حضور رفع کے لیے مفرد علم کی طرح ندا فرمائے گئے۔ حضور نے ہر ایسا فخر جمع فرما لیا جو قابل شرکت نہ تھا۔ اور حضور ہر اس مقام سے گذر گئے جس میں اوروں کا ہجوم نہ تھا۔ یا یہ کہ حضور نے سب فخر بلا شرکت جمع فرما لیے۔ اور حضور تمام مقامات سے بے مزاحم گذر گئے۔ یعنی عالم امکان میں جتنے مقام ہیں۔ حضور سب سے تنہا گزر گئے کہ دوسرے کو یہ امر نصیب نہ ہوا۔

علامہ علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

ای انت دخلت الباب وقطعت الحجاب الی ان لم تترك غاية لساع الی السبق من کمال القرب المطلق الی جناب الحق ولا ترکت موضع رقی وصعود وقیام وقعود لطالب رفعة فی عالم الوجود بل تجاوزت ذلك مقام قاب قوسین او ادنی فاوحی الیك ربك ما اوحی۔

یعنی حضور نے یہاں تک حجاب طے فرمائے کہ حضرت عزت کی جناب میں قرب مطلق کامل کے سبب کسی ایسے کے لیے جو سبقت کی طرف دوڑے کوئی نہایت نہ چھوڑی اور تمام عالم وجود میں کسی طالب بلندی کے لیے کوئی عروج وترقی یا اٹھنے بیٹھنے کی باقی نہ رکھی۔ بلکہ حضور عالم امکان سے تجاوز فرما کر مقام قاب قوسین او ادنیٰ تک پہنچے۔ تو حضور کے رب نے حضور کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ نیز امام ہمام ابو عبداللہ شرف الدین محمد قدس سرہٗ ام القریٰ میں فرماتے ہیں۔ ؎

وترقی بہ الی قاب قوسین ‌ ‌ ‌ وتلك السیادۃ القعساء

رتب تسقط الامانی حسرٰی ‌ ‌ ‌ دونہا ما وراءہن وراء

حضور کو قاب قوسین تک ترقی ہوئی۔ اور یہ سرداری لازوال ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں کہ آرزوئیں ان سے تھک کر گر جاتی ہیں۔ ان کے اس طرف کوئی مقام ہی نہیں امام ابن حجر مکی قدس سرہٗ الملکی اس کی شرح افضل القریٰ میں فرماتے ہیں۔

قال بعض الائمة والمعاریج لیلة الاسراء عشرة سبعة فی السموٰت الثامن

وکیفیت کو یقینی طور پر مان لیا جائے۔ اس میں ذرہ بھر تردد وخلجان نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اس واقعہ

الی سدرۃ المنتھی والتاسع الی المستوی والعاشر الی العرش الخ

بعض ائمہ نے فرمایا شب اسراء دس معراجیں تھیں۔ سات ساتوں آسمانوں میں اور آٹھویں سدرۃ المنتہےٰ نویں مستویٰ دسویں عرش تک۔

سیدی علامہ عارف باللہ عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقۂ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں اسے نقل فرماکر مقرر رکھا۔

حیث قال قال شہاب المکی فی شرح ھمزیۃ الابوصیری عن بعض الائمۃ ان المعاریج عشرۃ الی قولہ والعاشر الی العرش والرؤیۃ۔

معراجیں دس ہیں۔ دسویں عرش ودیدار تک۔ نیز شرح ہمزیہ امام مکی میں ہے

لما اعطی سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام الریح التی غدوھا شھر و رواحھا شھر اعطی نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم البراق فحملہ من الفرش الی العرش فی لحظۃ واحدۃ واقل مسافۃ فی ذلک سبعۃ الاف سنۃ وما فوق العرش الی المستوی والرفرف لا یعلمہ الا اللہ تعالیٰ۔

جب سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کو ہوا دی گئی کہ صبح شام ایک ایک مہینے کی راہ پر لے جاتی ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو براق عطا ہوا کہ حضور کو فرش سے عرش تک ایک لمحہ میں لے گیا اور اس میں ادنیٰ مسافت (یعنی آسمان ہفتم سے زمین تک) سات ہزار برس کی راہ ہے۔ اور وہ جو فوق العرش سے مستوی ورفرف تک رہی۔ اُسے تو خدا ہی جانے۔

اسی میں ہے۔

لما اعطی موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام الکلام اعطی نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مثلہ لیلۃ الاسراء وزیادۃ الدنو والرؤیۃ بعین البصر وشتان ما بین جبل الطور الذی نوجی بہ موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام وما فوق العرش الذی نوجی بہ نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

جب کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو دولت کلام عطا ہوئی۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

کی تفصیلات وحقائق سے خداوند تعالیٰ خود مطلع فرمادے تو یہ اس کی عنایت ہے۔ اس حقیقت کو

وسلم کو ویسی ہی شب اسرا ملی اور زیادت قرب اور چشم سر سے دیدار الٰہی۔ اس کے علاوہ اور بھلا کہاں کوہ طور جس پر موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے مناجات ہوئی اور کہاں مافوق العرش جہاں ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلام ہوا۔ اسی میں ہے۔

رقیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ببدنہ یقظۃ لیلۃ الاسرا الی السماء ثم الی سدرۃ المنتہیٰ ثم الی المستوی ثم الی العرش والرفرف والرویۃ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جسم پاک کے ساتھ بیداری میں شب اسرا آسمانوں تک ترقی فرمائی۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ پھر مقام مستویٰ پھر عرش ورفرف و دیدار تک۔

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی رحمۃ اللہ تعالیٰ تعلیقات افضل القریٰ میں فرماتے ہیں۔

الاسرا بہ صلی اللہ علیہ وسلم علی یقظۃ بالجسد والروح من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ ثم عرج بہ الی السمٰوٰت العلی ثم الی سدرۃ المنتہیٰ ثم الی المستوی ثم الی العرش والرفرف۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج بیداری میں بدن وروح کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ہوئی پھر آسمانوں پھر سدرہ پھر مستویٰ پھر عرش ورفرف تک فتوحات احمدیہ شرح الہمزیہ للشیخ سلیمٰن الجمل میں ہے۔

رقیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلۃ الاسراء من بیت المقدس الی السمٰوٰت السبع الی حیث شاء اللہ تعالیٰ لکنہ لم یجاوز العرش علی الراجح۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترقی شب اسرا بیت المقدس سے ساتوں آسمان اور وہاں سے اس مقام تک ہے جہاں تک اللہ عزوجل نے چاہا۔ مگر راجح یہ ہے کہ عرش سے آگے تجاوز نہ فرمایا۔ اسی میں ہے۔

المعاریج لیلۃ الاسرا عشرۃ سبعۃ فی السمٰوٰت والثامن الی سدرۃ المنتہیٰ والتاسع الی المستوی والعاشر الی العرش لکن لم یجاوز العرش کما ھو التحقیق عند

المواہب اللدنیہ

معراجیں شبِ اسرا دس ہوئیں۔ سات آسمانوں میں اور آٹھویں سدرہ۔ نویں مستوی دسویں عرش تک مگر راویانِ معراج کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمایا اسی میں ہے۔

بعد ان جاوز السماء السابعۃ رفعت لہ سدرۃ المنتھی ثم جاوزھا الی مستوی ثم زج بہ فی النور فخرق سبعین الف حجاب من نور مسیرۃ کل حجاب خمس مائۃ عام ثم دلی لہ رفرف اخضر فارتقی بہ حتی وصل الی العرش ولم یجاوزہ فکان من ربہ قاب قوسین او ادنی۔

جب اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آسمان ہفتم سے گزرے۔ سدرہ حضور کے سامنے بلند کی گئی۔ اس سے گزر کر مقامِ مستوی پر پہنچے۔ پھر حضور عالم نور میں ڈالے گئے۔ وہاں ستر ہزار پردے نور کے طے فرمائے۔ ہر پردے کی مسافت پانسو برس کی راہ پھر ایک سبز بچھونا حضور کے لیے لٹکایا گیا۔ حضور اس پر ترقی فرما کر عرش تک پہنچے۔ اور عرش سے ادھر گزر نہ فرمایا۔ وہاں اپنے رب سے قاب قوسین او ادنیٰ پایا۔

اقول شیخ سلیمان نے عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمانے کو ترجیح دی اور امام ابن حجر مکی وغیرہ کی عبارات ماضیہ و آتیہ وغیرہا میں فوق العرش ولامکان کی تصریح ہے لامکان یقیناً فوق العرش ہے۔ اور حقیقۃً دونوں قولوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ عرش تک منتہائے مکان ہے۔ اس سے آگے لامکان ہے۔ اور جسم نہ ہوگا۔ مگر مکان میں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسم مبارک سے منتہائے عرش تک تشریف لے گئے اور روح اقدس نے وراء الورا تک ترقی فرمائی جسے ان کا رب جانے جو لے گیا۔ پھر وہ جانیں جو تشریف لے گئے۔ اسی طرف کلام شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اشارہ عنقریب آتا ہے کہ ان پاؤں سے سیر کا منتہٰی عرش ہے۔ تو سیر قدم عرش پر ختم ہوئی نہ اس لیے کہ سیر اقدس میں معاذ اللہ کوئی کمی رہی بلکہ اس لیے کہ تمام اماکن کا احاطہ فرمالیا۔ اوپر کوئی مکان ہی نہیں۔ جسے کہیے کہ قدم پاک وہاں نہ پہنچا۔ اور سیر قلب انور

پختہ یقین اور کامل ایمان ہوتا ہے۔ وہاں تردد و تامل حائل نہیں ہوتے۔ ہمارا تو سننا اور ایمان
کی انتہا قاب قوسین اگر وسوسہ گزرے کہ عرش سے ورا کیا ہوگا۔ کہ حضور نے اس سے تجاوز فرمایا تو امام اجل سیدی علی وفا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد سنیے۔ جسے امام عبد الوہاب شعرانی نے کتاب الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر میں نقل فرماتے ہیں۔

لیس الرجل من یقیدہ العرش وما حواہ عن الافلاک والجنۃ والنار وان الرجل من نفذ بصرہ الی خارج لهذا الوجود کلہ وهناک یعرف قدر عظمۃ موجدہ سبحنہ وتعالیٰ۔

مرد وہ نہیں جسے عرش اور جو کچھ اس کے احاطہ میں ہے۔ افلاک وجنت ونار یہی چیزیں محدود ومقید کرلیں۔ مرد وہ ہے جس کی نگاہ اس تمام عالم کے پار گزر جائے۔ وہاں اسے موجد عالم جل جلالہ کی عظمت کی قدر کھلے گی۔

امام علامہ احمد قسطلانی مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ اور علامہ محمد زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

(ومنها انہ رای اللہ تعالیٰ بعینہ) یقظۃ علی الراجح (وکلمہ اللہ تعالیٰ فی الرفیع الاعلیٰ) علی سائر الامکنۃ وقد روی ابن عساکر عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا لما اسری بی قربنی ربی حتی کان بینی وبینہ قاب قوسین او ادنیٰ۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ حضور نے اللہ عزوجل کو اپنی آنکھوں سے بیداری میں دیکھا یہی مذہب راجح ہے۔ اور اللہ عزوجل نے حضور سے اس بلند وبالاتر مقام میں کلام فرمایا جو تمام امکنہ سے اعلیٰ تھا۔ اور بے شک ابن عساکر نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شب اسرا مجھے میرے رب نے اتنا نزدیک کیا کہ مجھ میں اور اس میں دو کمانوں بلکہ اس سے کم کا فاصلہ رہ گیا۔ اسی میں ہے۔

قد اختلف العلماء فی الاسراء هل هو اسراء واحد او اسراء ان مرۃ بروحہ وبدنہ یقظۃ بروحہ وجسدہ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ ثم منامًا

لانا ہوتا ہے۔

من المسجد الاقصی الی العرش فالحق ان اسراء واحد بروحہ وجسدہ یقظۃ فی القصۃ کلہا والی ھذا ذھب الجمہور من علماء المحدثین والفقہاء والمتکلمین۔

علما کو اختلاف ہوا کہ معراج ایک ہے یا دو ایک بار روح وبدن اقدس کے ساتھ بیداری میں اور ایک بار خواب میں یا بیداری میں روح وبدن مبارک کے ساتھ مسجد الحرام سے مسجد اقصےٰ تک۔ پھر خواب میں وہاں سے عرش تک۔ اور حق یہ ہے کہ وہ ایک ہی اسرا ہے۔ اور سارے قصے میں یعنی مسجد الحرام سے عرش اعلیٰ تک بیداری میں روح وبدن اطہر کے ساتھ ہے۔ جمہور علماء محدثین وفقہاء ومتکلمین سب کا یہی مذہب اسی میں ہے۔

المعاریج عشرۃ (الی قولہ) العاشر الی العرش۔

معراجیں دس ہوئیں۔ دسویں عرش تک اسی میں ہے۔

قد ورد فی الصحیح عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال عرج بی جبریل الی سدرۃ المنتہی ودنا الجبار رب العزۃ فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی مدلیہ علی ما فی حدیث شریک کان فوق العرش۔

صحیح بخاری شریف میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میرے ساتھ جبریل نے سدرۃ المنتہےٰ تک عروج کیا۔ اور جبار رب العزۃ جل جلالہ نے دنو وتدلی فرمائی تو فاصلہ دو کمانوں بلکہ ان سے کم کا رہا یہ تدلی بالائے عرش تھی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں۔

ورد فی المعراج انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما بلغ سدرۃ المنتہی جاءہ بالرفرف جبریل علیہ الصلوۃ والسلام فتناولہ فطار بہ الی العرش۔

حدیث معراج میں وارد ہوا۔ کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سدرۃ المنتہےٰ پہنچے۔ جبرائیل امین علیہ الصلاۃ والتسلیم رفرف حاضر لائے۔ وہ حضور کو لے کر عرش تک اڑ گیا۔ اسی میں ہے۔

علیہ یدل صحیح الاحادیث الاحاد الدالۃ علی دخولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الجنۃ و وصولہ الی العرش او طرف العالم کما سیأتی کل ذلک بجسدہ یقظۃ۔

صحیح احادیثیں دلالت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب اسرا جنت میں تشریف لے گئے اور عرش تک پہنچے یا عالم کے اس کنارے تک کہ آگے لامکان ہے۔ اور یہ سب بیداری میں مع جسم مبارک تھا۔

حضرت سیدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات مکیہ شریف باب ۳۱۴ میں فرماتے ہیں۔

اعلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما کان خلقہ القرآن وتخلق بالاسماء وکان اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ ذکر فی کتابہ العزیز انہ تعالیٰ استوی علی العرش علی طریق التمدح والثناء علی نفسہ اذکان العرش اعظم الاجسام فجعل لنبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من ھذا الاستواء نسبۃ علی طریق التمدح والثناء بہ علیہ حیث کان اعلیٰ مقام ینتھی الیہ من اسری بہ من الرسل علیہم الصلاۃ والسلام وذلک یدل علی انہ اسری بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بجسمہ ولو کان الاسرا بہ رؤیا لما کان الاسراء ولا الوصول الی ھذا المقام تمدحًا ولا وقع من الاعراب انکار علی ذلک۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ اور حضور اسماء الٰہیہ کی خو خصلت رکھتے تھے۔ اور اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی صفات مدح سے عرش پر استوا بیان فرمایا تو اس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اس صفت استوی علی العرش کے پرتو سے مدح و منقبت بخشی کہ عرش وہ اعلیٰ مقام ہے جس تک رسولوں کا اسراء منتہی ہوا اور اس سے ثابت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسرا مع جسم مبارک تھا۔ کہ اگر خواب ہوتا تو اسرا اور اس مقام استوا علی العرش تک پہنچنا مدح نہ ہوتا۔ نہ گنوار اس پر انکار کرتے۔

امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب لواقت

تھا جس دن انہوں نے بلا تامل و تردد واقعہ معراج کی تصدیق کردی تھی۔ اور فوراً مسلمان ہوگئے حالانکہ

والجواہر میں حضرت موصوف سے ناقل ہے "انما قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی سبیل المدح حتی ظہرت لمستوی اشارۃ لما قلنا من ان منتہی السیر بالقدم المحسوس العرش۔
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بطور مدح ارشاد فرمانا کہ یہاں تک کہ میں مستوی پر بلند ہوا اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ قدم جسم سے سیر کا منتہے عرش ہے۔

مدارج النبوۃ شریف میں ہے "فرمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پس گسترانیدہ شد برائے من رفرف سبز کہ غالب بود نور او بر نور آفتاب پس درخشید بآں نور بصر من نہادہ شدم من براں رفرف و برداشتہ شدم تا برسیدم بعرش"۔ اسی میں ہے "آوردہ اند کہ چوں رسید آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعرش دست زد عرش بداماں اجلال وے" اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے "بجز حضرت پیغمبر ما صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالاتر ازاں ہیچ کس نہ رفتہ و آنحضرت بجائے رفت کہ آنجا جانیست۔

برداشت از طبیعت امکاں قدم کہ آں
اسریٰ بعبدہ است من المسجد الحرام

تا عرصہ وجوب کہ اقصائے عالم است
کانجا نہ جاست نے جہت و نے نشان نام

نیز اسی کے باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ فصل سوم زیر حدیث قد رای ربہ مرتین ارشاد فرمایا "بتحقیق دید آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پروردگار خود را جل وعلا دو بار یکے چوں نزدیک سدرۃ المنتہیٰ بود دوم چوں بالائے عرش برآمد"۔

مکتوبات حضرت شیخ مجدد الف ثانی جلد اول مکتوبات ۲۸۳ میں ہے "آں سرور علیہ الصلاۃ والسلام دراں شب از دائرہ مکان و زماں بیروں جست و از تنگی امکان بر آمدہ ازل و ابد را آں واحد یافت و بدایت و نہایت را در یک نقطہ متحد دید۔ نیز مکتوب ۲۷۲ میں ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین ست و بہترین موجودات اولین و آخرین۔ بدولت معراج بدنی مشرف شد و از عرش و کرسی درگزشت

ن مسلمان بھی اس مسئلہ پر تر دد میں پڑ کر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں - اور مرتد ہو گئے حضرت ابو بکر

وازمکان و زمان بالارفت -

امام ابن الصلاح کتاب معرفۃ انواع علم الحدیث میں فرماتے ہیں -

قول المصنفین من الفقہاء وغیرھم قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کذا وکذا ونحو ذٰلک کلہ من قبیل المعضل وسماہ الخطیب ابو بکر الحافظ مرسلا وذٰلک علی مذھب من یسمی کل مالا یتصل مرسلا -

تلویح وغیرہ میں ہے - ان لم یذکر الواسطۃ اصلا فمرسل

مسلم الثبوت میں ہے - المرسل قول العدل قال علیہ الصلوٰۃ والسلام

فواتح الرحموت میں ہے - الکل داخل فی المرسل عند اھل الاصول -

انہیں میں ہے - المرسل ان کان من الصحابی یقبل مطلقاً اتفاقاً وان من غیرہ فالاکثر ومنھم الامام ابو حنیفۃ والامام مالک والامام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنھم قالوا یقبل مطلقاً اذا کان الراوی ثقۃ الخ

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: لایضر ذٰلک فی الاستدلال بہ ھھنا لان المنقطع یعمل بہ فی الفضائل اجماعاً -

شفائے امام قاضی عیاض میں ہے - اخبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقتل علی وانہ قسیم النار

نسیم الریاض میں فرمایا: ظاھر ھذا ان ھذا مما اخبر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الانھم قالوا لم یروہ احد من المحدثین الا ان ابن الاثیر قال فی النھایۃ ان علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال انا قسیم النار قلت ابن الاثیر ثقۃ وما ذکرہ علی لا یقال من قبل الرای فھو فی حکم المرفوع - اھ ملخصاً -

امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: عدم النقل لا ینفی الوجود" واللہ تعالیٰ اعلم -

ماخوذ از منبہ المنیہ بوصول الحبیب الی العرش والرؤیہ

صدیق کا ابتدائی طور پر ایمان لانا بھی بلا تامل و تردد کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آیات کی ضیا پاشیاں ہر طرف جلوہ گر تھیں مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک معجزہ بھی دریافت نہیں کیا۔ اور فوراً بے توقف ایمان لے آئے۔ جب حضور علیہ السلام معراج سے تشریف لے آئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا حال آپ سے پوچھا گیا۔ تو آپ نے بعض صحابہ کو ایسا جواب دیا جس میں کھلی ہوئی حقیقت تھی۔ بعض کو اشارۃً باتیں بیان کیں۔ ہر شخص سے اس کی حالت و استعداد سے گفتگو کی گئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہر شخص میں یہ اہلیت نہیں ہوتی کہ اس سے ہر حقیقت کا اظہار کیا جائے۔ اور سربستہ راز کھول دیے جائیں۔ بات تو ایک ہوتی ہے مگر عبارات و الفاظ مختلف ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے حق تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ ورنہ دل کی آنکھوں سے دیکھنا تو ہر حال میں ہر شخص کو جائز ہے۔ اس میں معراج کی خصوصیت کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ دل کی آنکھوں سے دیکھنا اور ہے۔ اور دل سے جاننا اور ہے۔

امت محمدیہ کی فضیلت:

حضور نبی علیہ السلام کی امت تمام انبیاء کی امتوں سے بہتر ہے جس طرح خود حضور علیہ السلام کی ذات تمام انبیاء سے افضل ہے۔ ویسے ہی آپ کی امت ساری امتوں سے افضل ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ تم بہترین امت ہو جنس بنی آدم کے لیے پیدا کیا گیا۔

حدیث شریف میں ہے۔ کہ تمہاری عمر اور بقاء کا زمانہ پہلی امتوں کی عمر کے مقابلہ میں ایسا ہے۔ جیسے عصر سے مغرب کا وقت ہو۔ تھوڑے وقت کے باوجود ہم تمہیں زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب دیں گے۔ تمہاری حالت یہود و نصاریٰ کی نسبت اس مثال سے واضح ہو جاتی ہے۔

ایک شخص نے کئی مزدوروں کو کام پر لگایا۔ اور صبح سے ظہر تک ہر ایک مزدور کو ایک قیراط مزدوری مقرر ہوئی۔ مگر بعض ایسے مزدور تھے جنہیں ظہر سے عصر تک کام کرنے کا ایک قیراط دیا گیا۔ مگر بعض ایسے بھی تھے جنہیں عصر سے مغرب تک کی مزدوری کے دو دو قیراط دیئے گئے۔ پہلے

دونوں بہت غصہ کرنے لگے۔ کہ ہم نے اتنے طویل عرصہ کے لیے ایک ایک قیراط پایا مگر اسے تھوڑے عرصہ کے لیے دو قیراط ملے ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا۔ کہ تم سے جو مزدوری مقرر کی گئی تھی۔ وہ تمہیں دے دی گئی۔ مگر اسے ہم نے اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے۔

اس مثال میں پہلے سے یہودی مراد لیے گئے ہیں۔ دوسرے سے نصاریٰ اور تیسرے طبقے سے مسلمان مراد ہیں۔ پیدائش میں امت محمدیہ سب سے آخر آئی۔ مگر کثرت ثواب و فضائل میں سب سے اولین ہے۔ حقیقت میں جو علوم و معارف اور عجائب و غرائب اس امت کے ہر شخص عطا ہوئے۔ وہ کسی امت کے افراد کو کب میسر آئے ہیں۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے

شریعت محمدیہ اعلیٰ ترین شریعت ہے:۔

دین مصطفوی پہلے تمام ادیان سے کامل تر اور جامع تر ہے۔ اس دین نے تمام ادیان کے ضوابط کو منسوخ کر دیا۔ جس طرح حضور خاتم الانبیاء ہوئے اور آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کا امکان نہیں۔ ویسے ہی آپ کی شریعت کے بعد کوئی شریعت نہیں آئے گی۔ اور کسی کمال کا انتظار نہیں ہوگا۔ حضور نے فرمایا۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الاخلاق۔ میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کی تکمیل کروں۔

موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں قہر و جلال بہت زیادہ تھا۔ توبہ کے لیے اکثر جانیں قربان کرنا پڑتی تھیں۔ پاک چیزیں حرام کر دی جاتی تھیں۔ غنیمت کے مال سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ بعض گناہوں پر فوری عذاب الٰہی نافذ ہوتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت و شدت اور اعداء دین پر سختی کا یہ عالم تھا۔ کہ کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی۔ کہ آپ کی طرف دیکھ سکے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام لطف و مہربانی کا مظہر تھے۔ ان کی شریعت میں فضل و احسان بہت زیادہ تھا۔ قتل و جدال کی بالکل ممانعت تھی۔ بعض اوقات قتال حرام قرار دیا گیا تھا۔ انجیل میں آیا ہے۔ کہ اگر تیرے ایک رخسار پر طمانچہ مارا جائے تو تم دوسرا رخسار پیش کر دو۔ جو شخص تمہارے کسی کپڑے کے کونہ کو ہاتھ میں پکڑے۔ اسے سارا کپڑا دے دو۔ جو شخص ایک میل تک تمہیں مسخر کرتا جائے اس کے ساتھ دو میل تک چلتے رہو۔ اور اس پر یوں احسان کرو۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اقدس پرکمال کے مطابق کو پورا کر دیا۔ اور آپ کی شخصیت میں جلال وجمال کی ساری رعنائیاں جمع ہوگئیں۔ لطف وقہر یکجا ہو گئے۔ ایک طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت وشدت اور دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لطف وکرم اور فضل وحلم کی ساری خصوصیتیں بدرجہ اتم آگئیں۔ اور پھر یہ ساری خصوصیات نہایت اعتدال سے جلوہ گر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا۔

انا الضحوك القتول — میں ہمیشہ مسکراتا ہوں اور میری مسکراہٹ پر اہل دل پر جان نثار ہو گئے۔

- یہ صفت آپ کی جامعیت کا کمال ہے۔

- بخندۂ نمکیں دل بری وجاں بخشی
تبارک اللہ ایں چہ خندہ وچہ لب است

خداوند تعالیٰ نے فرمایا۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَ — اللہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دیتا ہے۔
يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔ — اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بھی حضور علیہ السلام کی عدالت وشریعت کی خصوصیت کی وضاحت کی گئی ہے آنحضرت کی عادات شریفہ اور فضائل عالیہ، حضور کی شریعت مطہرہ اور معتدل احکامات اور دین اوسط ہونے کی ساری حقیقت ابھر کر سامنے آگئی ہیں۔

صحابہ کرام کی فضیلت :-

آپ کے صحابہ ساری امت سے افضل اور بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کی صحبت اور نصرت کے لیے پسند کیا۔ اور ملت محمدیہ اور دین اسلام کی عظمت ان صحابہ سے بلند ہوئی۔

صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ونصرت کے اہل تھے۔ اور ان پاکیزہ خدمات کے اہل تھے۔ جو ان پر سپرد کی گئیں تھیں۔ صحابہ کرام کی شان اور برتری میں اس قدر احادیث آئی ہیں۔ کہ ان کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا رتبہ ساری امت سے بلند تر اور ثواب سب سے زیادہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اُحد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ میں خرچ کرے تو صحابہ کے نصف پیمانہ دینے کے ثواب تک نہیں پہنچ سکتا۔ حدیث خیر القرون قرنی بھی اس مطلب کی وضاحت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جن سے صحابہ کرامؓ کی برتری ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل کی ضرورت ہے کہ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں تاب کو اپنی آنکھوں دیکھا۔ آپ کی پاکیزہ صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ قرآن اور دین کو آپ کی زبان سے براہِ راست سُنا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے واقف ہوتے رہے۔ اپنی مال و جان راہ مصطفیٰ میں نثار کرتے رہے۔ صحابہ ایسے مومن تھے کہ جنہوں نے حضور کو ایمان کی حالت میں دیکھا اور ایمانی حالت میں دنیا کو خیر باد کہا۔ حضور کو ایمان سے ایک نگاہ دیکھنا صحابی بنا دیتا ہے۔ مگر بعض علماء کی رائے میں صحابی کیلیے حضور کی مصاحبت اور مجالست شرط ہے۔ جہاد و غزوات میں شریک رہا ہو اور کم از کم چھ ماہ مجلس میں رہا ہو۔ کیونکہ ایک نظر دیکھنے اور ایک لمحہ مجلس میں بیٹھنے سے مصاحبت کی دولت حاصل نہیں ہو سکتی۔

علماء کرام کی رائے ہے کہ خیریت واقفیتی۔ صحابہ کرام کی جماعت کے لیے ہی کہا گیا تھا۔ مگر اکثر علماء کرام کا یہ فیصلہ ہے کہ جس شخص نے ایک نگاہ سے بھی سرکارِ دو عالم کو دیکھا وہ اس فضیلت کا مستحق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ کے چہرے پر ایک نگاہ دیکھنا اور ایک لمحہ آپ کی مجلس میں بیٹھنا بڑی بات ہے۔ اور بڑی مشکلات کا حل ہے۔ اور دوسرے ان منازل کو چالیس سال تک بھی طے نہیں کر سکتے۔ یہ بات قوت القلوب میں تفصیلی طور پر موجود ہے

صحابہؓ کی افضلیت :

جن علماء کرام نے صحابہ کرام کی افضلیت کے متعلق لکھا ہے۔ ان میں سے حضرت ابوعمرو بن عبدالبر کا نام بڑا مشہور ہے۔ آپ علماءِ حدیث میں سے بلند پایہ مانے جاتے ہیں۔ انھوں نے دعویٰ کیا ہے۔ کہ ایسا کب ہو سکتا ہے۔ کہ صحابہ کے بعد کوئی شخص ان کے رتبہ کو پا سکے حدیث پاک میں ہے۔

مثل امتی کمثل مطر لایدری یہ امت بارش کے ان قطروں کی طرح ہے

اولہٗ خیر ام آخرہٗ۔ آخری قطرہ پہلے قطرہ سے کیا مقابلہ کرسکتا ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔ ایک صحابی نے دریافت کیا "یارسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ جہاد میں شریک رہے۔ کیا ہم سے بہتر کوئی قوم ہو سکتی ہے"؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ تم سے بہتر وہ قوم ہوگی جو مجھے دیکھے بغیر ایمان لائے گی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ایمان قبول کیا اس پر تو آپ کا ظاہر روشن تھا۔ مگر لوگ حضور کو بلا دیکھے ایمان لے آئے۔ ان کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ بعض مفسرین نے "یومنون بالغیب" سے یہی معانی لیے ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ آخرین زمانہ میں طریقہ سنت پر چلنا ہاتھ پر انگارہ لیکر چلنے سے کم تر نہیں ہے۔ جو شخص ان حالات میں سنتِ رسول پر چلے گا اُسے پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ملے گا۔ کسی نے عرض کی یارسول اللہ پچاس ہم جیسے آدمیوں کا ثواب ہو گا۔ یا اس وقت کے پچاس جیسے۔ فرمایا، تم جیسے پچاس۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے۔ مگر حقیقت میں جمہور علماء کا مذہب ہی مختار و مستند ہے اور بعد میں آنے والے حضرات کے لیے جس ثواب افضلیت اور درجہ کا بیان کیا گیا ہے وہ ان کے بغیر دیکھے ایمان لانے کی بناء پر ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فضیلت کلی صحابہ کے حق میں ہے۔ فضل جزئی فضل کلی کے مخالف نہیں ہوا کرتا۔

ابن عبدالبر کا اختلاف اس وقت ہے کہ صحابی کے معنیٰ عام کیے جائیں اور یوں کہا جائے کہ صحابی وہ ہے جس نے نبی علیہ السلام کو ایک نظر دیکھا ہو۔ مگر صحابی کے خاص معنیٰ یہ ہیں، تو جس شرف صحبت اور دوامی ہم نشینی ملی ہو۔ وہ صحابی کہلاتے ہیں۔ ابن عبدالبر جمہور کے مسلک کے بالکل ہمنوا ہیں۔ کہ حضور کے جمال مبارک پر نظر کرنے سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں اگرچہ اولیاء اللہ کو معنوی صحبت آنحضرتؐ نصیب ہے۔ مگر وہ صحابی کے رتبہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

خلفائے اربعہ :

چاروں خلفائے راشدین جو آنحضرتؐ کے جانشین ہوئے ہیں تمام صحابہ کرام سے افضل تھے۔ اسلام میں ان چار خلفاء کے مناقب۔ درجات اور فضائل اس قدر نہیں کہ تمام صحابہ

کے پاس اتنی نیکیاں نہیں۔

خلفاءِ اربعہ کی فضیلت :

چاروں اصحابِ کرام کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب سے دیکھی جاسکتی ہے۔ اور اس فضیلت سے ثواب کی زیادتی بھی پائی جاتی ہے۔

ان دونوں مقامات میں سے اوّل مقام یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ اوّل اور برحق ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق۔ ان کے بعد حضرت عثمان اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ ترتیب افضلیت کا مسئلہ اہل سنت کے ہاں میں سے ہے۔ حضرت ابوبکر کی خلافت بعض کے نزدیک نص قرآنی اور حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ اور جمہور علماء اہل سنت و جماعت کے نزدیک اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا۔ ان کی اطاعت و فرماں برداری قبول کی۔ اور دنیا و آخرت کے سارے معاملات اُن کے احکام کی روشنی میں حل کیے۔ اور ان کی ہدایت پر چلتے رہے۔ ان میں سے حضرت ابوذر غفاری۔ سلمان فارسی اور صہیب جیسے جلیل القدر صحابہ تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو دین کے معاملہ میں ذرہ بھر کی مداہنت برداشت نہ کرتے تھے۔ اور انہی کی شان میں آیا تھا۔

لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ۔ یہ لوگ کسی ملامت سے ڈرتے نہیں تھے۔

اگرچہ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت عباس ابن عبد المطلب اور بعض دوسرے صحابہ جن میں حضرت طلحہ زبیر مقداد بن اسعد جیسے جلیل القدر صحابی شامل ہیں نے بیعت عام کے وقت بیعت نہیں کی تھی۔ مگر دوسرے وقت ان سب نے بیعت کر لی۔ اور آپ کی اطاعت قبول کر لی اور ہمیشہ آپ کی فرمانبرداری میں رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے پاس بلایا۔ خطبہ دیا اور فرمایا، میں حضرت علی ابن ابی طالب کو اپنی بیعت کی تکلیف نہیں دے سکتا۔ کیونکہ انہیں پورا اختیار رہے کہ جو فیصلہ چاہیں کریں۔ اور آپ لوگوں کو بھی پورا حق ہے کہ بیعت کے معاملہ میں انصاف اور آزادانہ رائے کا اظہار کریں۔ مگر جو صاحب کسی دوسرے کو مجھ سے اولیٰ اور یا اعلیٰ ترجیح کرے اس کے ہاتھ میں بیعت کر لے۔

دریں بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہوں یہ بات سنتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ نے کہا کہ ہم آپ سے اعلیٰ اور اولیٰ کسی کو نہیں جانتے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دین کے معاملہ میں پیشوا بنایا ہے۔ اور اپنی زندگی کے آخری دنوں میں نماز میں آپ کو امام مقرر کیا ہے۔ باوجودیکہ ہم اہل بیت۔ اہل مشورہ وہاں موجود تھے آپ سے کسی نے نہیں پوچھا۔ ان حالات میں ہم فیصلہ کرتے ہیں کہ آپ خلافت کے حق دار اور لائق ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ اور دوسرے صحابہ نے اعلانیہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور اجماع منعقد ہوا۔ ان صحابہ نے بیعت کرنے میں اس لیے تاخیر کی۔ کہ یہ ایک بہت بڑا فیصلہ تھا۔ اور ان لوگوں کا تامل اجتہادی طور پر بڑا ضروری تھا۔ اور اس میں صحابہ کے اجماع میں نقص واقعہ نہیں ہوتا۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کا بیعت میں تاخیر کرنا اور بیعت کے وقت شریک ہونا نہ چاہیے تھا کہ آپ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول و مصروف تھے۔ اور حضورؐ کی جدائی کی وجہ سے خلوت گزین رہے۔ اور قرآن پاک جمع کرنے میں مصروف تھے۔ اس طرح چھ ماہ گزر گئے تو۔ ۔ ۔ ت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ نے بیعت کر لی۔

ہم مندرجہ بالا رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے دوسرے دن ہی بیعت کر لی۔ اور ہمیشہ صدیق اکبرؓ کے مطیع اور مشیر رہے۔ نماز جمعہ۔ عیدین اور دوسری فرض جماعتوں میں آپ کی اقتداء کرتے رہے۔

غزوۂ بنی حنیفہ میں (جس میں مسیلمہ کذاب قتل ہوا تھا)، آپ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے۔ اور اس غزوہ میں سے مال غنیمت میں سے ایک لونڈی لی۔ جس سے محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ اگر وہ اس غزوہ میں امام برحق کے ہمراہ نہ ہوتے تو مال غنیمت سے حصہ نہ لیتے۔ اور کوئی عقلمند اس بات کی تائید نہیں کر سکتا کہ علی المرتضیٰ جو شیر خدا تھے امام اولیاء تھے۔ دائرہ حق کے مرکز تھے۔ قرآن کے فیصلہ سے سر مو تجاوز کرتے۔

القرآن مَعَ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ مَعَ القُرآن — قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ ہیں۔

ایک مدت دراز تک نمازیں۔ عبادات اور بدنی و مالی خدمات اس کے لیے کرتے رہے۔

جو حق پر نہ تھا۔ اگر حضرت جانتے تھے کہ حق ان کی جانب ہے اور حضور نے بھی انہی کی خلافت کا فیصلہ قطعی فرمایا تھا اور سان حالات میں حق طلب نہ کریں اور خاموشی اختیار کیے رہیں اور معاذ اللہ تمام عمر ابطل ہوا اور باطل کے اختیار میں پڑے رہیں آخر حضرت معاویہ سے جنہوں نے آپ کے ساتھ ناحق جھگڑا کیا تھا۔ کیونکر مقابلہ کیا۔ اور کس محبت سے اپنا حق منوانے کو نکل آئے؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے نفس انسان کو پیدا کیا اور دانہ اگایا۔ اگر پیغمبر خدا نے مجھے حکم دیا ہوتا یا وعدہ کیا ہوتا تو ابی قحافہ (حضرت ابوبکر صدیق) کے فرزند کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے زیرین پایہ پر قدم نہ رکھنے دیتا۔ لیکن جب میرے سامنے میرے رتبہ و کمال کے ہوتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر کو امام بنایا۔ اور اپنے صحابہ سمیت ان کی اقتداء میں نماز ادا کی اور میں نے ان تمام واقعات کو دیکھتے ہونے بھی کسی قسم کا اختلاف نہیں کیا۔ جب حضور نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دین کے معاملات میں بہتر جانا تو میں انہیں دنیا کے معاملات میں بھی بہتر جانتا ہوں۔

شیعہ حضرات کہتے ہیں۔ کہ علی المرتضیٰ نے یہ سارے کام تقیہ سے کیے تھے۔ انہیں دشمنوں کا خوف اور اپنی جان کا ڈر تھا۔ مگر حقیقت حال پر غور کیا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تقیہ سراسر عیب اور نقص ہے۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ حق کو چھوڑ کر کیسے سکوت کر سکتے ہیں۔ وہ دشمنوں سے ڈر گئے ایسا ناممکن ہے۔ اس کمال یقین کے باوجود کہ آپ نے فرمایا لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سننے کے باوجود کہ میرے بعد تو ہی میرا خلیفہ ہے۔ اور دین کے احکام جاری کرنے کے تم ہی متکفل ہو۔ اور اس کام کو تم ہی کرو گے۔ دوسرے آدمیوں کے لیے ڈر۔ اور طلب خلافت کو قتل پر محمول کر بیٹھے یہ بات سراسر الزام ہے۔

دوسری بات یہ بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے۔ کہ تقیہ کی ضرورت اس شخص کو ہوا کرتی ہے جو کمزور اور مغلوب ہو۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ حضرت امیر المومنین ایسے شجاع اور طاقتور انسان۔ خدا پر توکل کرنے والے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا

کے شوہر حضرت امام حسن و حسین کے باپ۔ حضرت عباس بن عبد المطلب کے برادر زادہ۔ حضرت زبیر جیسے پھوپھی زاد بھائی۔ اور پھر تمام بنی ہاشم کے معتمد علیہ بزدل اور کمزور کس طرح گردانے جا سکتے ہیں۔

توقف کی مدت میں ایک دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ مجھے دیں۔ تاکہ میں بیعت کر سکوں۔ اور دنیا جان لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نے حضور کے عم زاد کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ اور پھر کسی کو مجال مخالفت نہ رہے ابی سفیان داموی) نے کہا کہ اے عبد مناف کے بیٹو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ قریش میں سے کم درجہ والے قبیلہ (بنی تیم) کے آدمی پر راضی ہو گئے ہو۔ اور پھر ابی سفیان نے کہا۔ کہ اگر تم خلافت کے لیے اٹھو تو میں اتنے سوار اور پیادے جمع کر سکتا ہوں کہ ایک جنگل بھر جائے اور ان کا بھیجا نکال لوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں منع فرمایا۔ اور متنبہ کیا کہ تم اہل اسلام میں دشمنی پھیلانا چاہتے ہو۔

ان روایات کی روشنی میں ہم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ سے کام لیا تھا (شیعہ حضرات تو پیغمبران خدا کو بھی تقیہ کی زد میں لے آتے ہیں۔ اور یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ انبیاء کرام کے لیے خوف کے مقام پر کفر کا اظہار کر دینا بھی جائز ہے۔ پھر ان کی منطق یہاں تک پہنچتی ہے کہ نبی علیہ السلام نے دل میں تو حضرت علی کو ہی امامت کے لیے کہا تھا مگر خوف اور تقیہ سے اس کا اظہار نہ کر سکے)۔ جب یہ لوگ اس قسم کے احتمالات کو حضورؐ کی ذات سے منسوب کرنے سے گریز نہیں کرتے تو دوسروں کے معاملات میں کیا کچھ نہیں کہیں گے۔

ابتحھم اللہ ما اجھلھم وافسد اعتقادھم

(اگر انبیاء علیہم السلام بھی حق کو چھپانے لگے اور پھر اظہار حق کہاں سے ہو گا) نوح علیہ السلام کی قوم سے زیادہ نافرمان قوم اور متکبر قوم اور کون ہو سکتی ہے۔ فرعون اور نمرود سے بڑھ کر کون ظالم اور جابر ہو سکتا ہے۔ مگر حضرات نوحؑ موسیٰ اور ابراہیم علیہ السلام نے حق گوئی سے کبھی پہلو ہی نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے سارے صحابہ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کر لیا تھا۔ اور جس چیز پر سارے صحابہ۔ علماء مجتہدین کا اجماع ہو وہ

برحق ہوتی ہے۔ کیونکہ علیحدہ علیحدہ اجتہاد میں تو غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے۔

مگر اجتماعی اتفاق رائے میں کبھی غلطی نہیں ہوا کرتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا — اے امت محمدیہ تمہیں معتدل امت بنایا

لِتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ — تاکہ تم اوروں پر گواہی دے سکو۔

وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ — جو مسلمانوں کے اجتماعی راستہ سے روگردانی

نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی۔ — کریگا ہم اسے اسی راہ پر پھینک دیں گے جو اس

نے اختیار کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لن یجتمع امتی علی الضلالۃ — میری امت گمراہی پر ہرگز جمع نہیں ہوگی۔

جس چیز پر سب نے اجماع کر لیا وہ حق پر ہے۔ اگر بعض صحابہ نے عمداً بیعت سے انکار کیا تھا تو وہ خطا پر تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم نافرمان تھے اور وہ حق کو چھپاتے رہے ہے۔ ایسی باتوں کا اثر ساری امت پہ پڑتا ہے۔ اور شریعت کا استحکام ختم ہو جاتا ہے کیونکہ قرآنی احکام۔ احادیث رسول کی اتباع اور احکام شریعت تو صحابہ کرام کے ذریعہ سے نافذ ہوتے رہے ہے۔ جب یہ لوگ ہی معاذ اللہ ظالم۔ فاسق اور حق کو چھپاتے رہے تو پھر اس سے بڑھ کر خرابی اور کیا ہو سکتی ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی ایک تصنیف میں کیا عمدہ بات کہی ہے۔ اور قرآن پاک کی اس آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ — چیونٹے نے اپنے گروہ کو کہا۔ مبادا تمہیں

وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ — لشکر سلیمان کچل ڈالے اور وہ بے خبر ہوں۔

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔ کہ معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا چیونٹا رافضی سے زیادہ عقلمند تھا۔ کیونکہ اس نے اپنے ساتھی چیونٹیوں کو کہا کہ اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔ سلیمان کا لشکر نادانستہ تمہیں پامال کر دے گا۔ چیونٹے نے یہ نہیں کہا حضرت سلیمان کے لشکری جو آپ کے اصحاب تھے۔ جان بوجھ کر پامال کر دیں گے۔ اور تم پر ظلم کریں گے۔ بلکہ لایشعرون

کہا۔ کہ نادانستہ پامالی عمل میں آئے گی۔ رافضی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے دانستہ طور پر حضرت علی کا حق برباد کیا تھا۔ اور اہل بیت پر ظلم کیا تھا۔ یہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ پیغمبر خدا کے صحابہ کا ظلم پر اجماع نہیں ہو سکتا۔

دین کے سارے معاملات صحابہ کرام کے ہاتھ میں تھے۔ احادیث رسول اللہ کا اطلاق انہی کے سپرد تھا۔ ان سب حضرات کے اجماع سے بڑھ کر اور کون سی حجت ہو سکتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سب احکام میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اطاعت و فرمانبرداری کی۔ خلافت صدیق اکبر کی حقانیت کی یہی ایک بڑی دلیل ہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بایں فضل وکمال حضرت ممدوح کی اطاعت میں مصروف رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کیا وجہ ہے کہ پہلے تینوں خلفاء کا دورِ خلافت بڑے انتظام سے گزرا اور کسی گوشہ سے اختلاف و مخالفت نہیں اٹھی۔ مگر آپ کے دورِ خلافت میں ہر طرف انتشار اور بے چینی پائی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا ان لوگوں کے دورِ خلافت میں ہم ان کے معاون تھے۔ اور ہمارے دورِ خلافت کے معاون تم ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ عقل سلیم اجماع امت اور اتفاق صحابہ پر یقین کرنے پر مجبور ہے اور صحابہ کرام کو راست کردار تسلیم کرنا ہی ایمان کی علامت ہے۔ یہ بات کتنی غیر مناسب ہے کہ وہ نبی جو آخر الزمان ہے۔ تمام انسانوں اور جنات کو پیغام خداوندی پہچانے میں زندگی وقف کردی۔ ان کی امت کے صرف چند صحابہ تو راہ راست پر رہے۔ باقی کے سارے صحابہ اور دوست جو ہمیشہ آپ کی صحبت فیض میں رہے۔ اور کمالات و فضائل حاصل کرتے رہے۔ سب گمراہی پر جا پہنچے (معاذ اللہ) اس نظریہ کو تسلیم کر لینے کا اثر تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر بھی پڑتا ہے)

اندریں حالات یہ بات ہمیں یقینی طور پر تسلیم کرنا ہوگی۔ کہ سیدنا صدیق اکبر کی خلافت صحیح اور درست ہے۔ شیعوں کا فرقہ زیدیہ جو شیعوں کا اعتدالی فرقہ مانا جاتا ہے کہتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق ہے۔ مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت میں مصلحت تھی۔ کیونکہ حضرت علی کی تلوار ابھی تک دشمنوں کے

خون سے تر تھی۔ اور لوگ ابھی تک آپ کے دشمن تھے۔ اگر انہیں خلافت دی جاتی تو بڑا فساد ہوتا۔ جس سے اسلام کی بنیادیں ہل جاتیں۔ اور اسلامی سلطنت تباہ ہو جاتی چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وجہ سے سارے اشعلے ختم ہو گئے۔ یہ مذہب زیدیہ حضرت علیؓ کی فضیلت پر اعتقاد رکھتا ہے۔ اور افضل و اکمل کو خلیفہ بنانا ضروری جانتا ہے۔

علمائے اہل سنت نے ان دونوں باتوں پر تنقید کی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ قطعاً ضروری ہے کہ وہ قریش میں سے ہو۔ حلال و حرام میں امتیاز کرے۔ دین اسلام کی مصلحتوں اور امور سلطنت کے چلانے کی اہلیت رکھتا ہو خلافت کے لیے پرہیزگاری، عدالت۔ شہامت و کفایت ضروری اوصاف ہیں۔ یہ سارے اوصاف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں موجود تھیں آثار و احادیث میں فضائل سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی اس اہلیت کی گواہ ہیں۔

بعض علمائے کرام نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نص قرآنی سے ثابت کیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خلافت کے لیے تاکید کی ہے مگر اہل تحقیق کے نزدیک حضرت صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی کے لیے بھی نص قطعی نہیں ہے۔ اگرچہ شیعہ سنی دونوں ہی اپنے دلائل میں نصوص قرآن کو پیش کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنے مخالف کی نصوص کے جوابات بھی دیتے ہیں۔ کیونکہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نص ہوتی۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع امت نہ ہوتا اور نص کے سامنے کسی اہل نظر کو خلاف رائے کا اظہار کرتا۔ اور اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نص ہوتی تو مہاجر و انصار کی رائے میں قطعاً اختلاف نہ ہوتا اور منا امیر و منکم امیر کی تکرار نہ ہوتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ قیل و قال محض تحقیق و جستجو کے لیے تھی۔ اور نص تمام صحابہ پر واضح نہیں تھی۔ اس کے جواب میں ہم یوں کہیں گے کہ حضرت صدیق اکبر نے حضرت علی اور دوسرے صحابہ کو کہا تھا کہ تم لوگ مختار ہو۔ جس کے ہاتھ پر فیصلہ کرو بیعت کر لیں۔ اگر ایک چیز نص سے فیصلہ شدہ تھی تو پھر اختیار کی بات کی گنجائش نہیں تھی۔

حقیقت میں صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ

بن جراح (جنہیں نبی علیہ السلام نے امین امت کا خطاب دیا تھا) کا ہاتھ پکڑ کر انصار سے کہا۔ کہ امامت قریش کا حق ہے۔ قریش کے ہوتے دوسروں کو دعویٰ امامت نہیں ہو سکتا۔ آپ لوگ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ اگر اس بات پر نص ہوتی تو آپ ایسا کبھی نہ کہتے۔ حق بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت صحابہ کرام کے اجماع اور اجتہاد سے ہوئی۔ اور اجماع یقینی تھا علم اصول فقہ میں ہے۔ ظنی نص غیر قطعی اجماع کے لیے کافی سند ہے۔

دونوں طرف کے لوگوں نے دلائل میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ جو اس مختصر سے رسالہ میں نہیں سما سکتیں۔ اور ان دلائل کو ترک کرتے ہوئے کسی اور کتاب میں تفصیلی بحث کروں گا۔

حضرت ابوبکر کی خلافت چونکہ اجماع سے ثابت ہے۔ ان کی اطاعت سب مسلمانوں پر فرض تھی۔ انہوں نے اپنی رحلت کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔ اور ان کے نام عہدنامہ لکھ دیا۔ جس میں تمام مسلمانوں کو ان کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا گیا تھا۔ چنانچہ تمام صحابہ کرام نے حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے۔ اور علی الاعلان کہا کہ بَایَعْنَا مَنْ فِیْهِ وَاِنْ کَانَ عُمَرَ۔ چنانچہ خلافتِ عمر بھی اجماع سے ثابت ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت خلافت کے مسئلہ کو ان چھ صحابہ کبار پر چھوڑ دیا حضرت عثمان۔ حضرت علی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرت طلحہ۔ حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ان چھ حضرات نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے کو اپنا حکم ماننے کا فیصلہ کیا اور اعلان کیا کہ ہم سب میں سے جسے کہہ دیں گے، اسے خلیفہ مقرر کر دیا جائے گا۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ جسے تمام صحابہ اور حضرت علیؓ نے فوری طور پر تسلیم کر لیا۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے احکام کی اتباع کا اعلان کر دیا۔ اور دین و دنیا کے تمام کاموں میں انہیں اپنا امیر مانتے رہے۔

اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اجماع امت سے ہوئی۔ ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے سارے صحابہ سے افضل و اکمل تھے۔ انہیں باجماع صحابہ خلیفہ برحق اور امام مطلق مقرر کیا گیا۔ آپ کے دورِ خلافت میں جو فسادات یا جھگڑے ہوئے اور آپ کے استحقاق خلافت پر نہیں تھے۔ بلکہ وہ ایک اجتہادی غلطی تھی۔

جس میں حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کی سزا میں جلدی کا مطالبہ تھا۔

دوسرا اتہام یہ ہے کہ ان خلفاء کی افضلیت انکی خلافت کی ترتیب سے شمار کی جائے۔ یعنی سب صحابہ سے افضل ترین سیدنا صدیق اکبر۔ پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضلیت ثواب کی زیادتی کے پیش نظر ہوتی ہے۔ علماء کرام نے اس مسئلہ کی یوں وضاحت کی ہے۔ کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں دوسرے سے افضل ہے۔ تو اس سے افضل انسان کی زیادتی اور رجحان دوسرے پر تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہ افضلیت یا تو ہر صفت میں جُدا جُدا ہو گی یا مجموعی اعتبار سے افضلیت قائم کی جائے گی صورت اوّل میں ہو سکتا ہے۔ کہ افضل انسان میں ایک ایسی صفت نہ ہو جو دوسرے میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ اور یوں بھی ہوتا ہے کہ یہ افضلیت کسی خاص درجہ کے پیش نظر ہو یہ مسئلہ بھی وجۂ اختلاف بن سکتا ہے۔ مثلاً علم کی زیادتی۔ نسب کی برتری۔ ملکات نفسانیہ کی قوت شجاعت سخاوت اور شہامت وغیرہ۔ اور اللہ کے نزدیک ان چیزوں کا ثواب مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ ثواب کے ذرائع تو سیرت اور کردار ہیں جن سے اسلام یا عوام کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے جس طرح ایمان لانے سے سبقت۔ دین کی خدمات اسلام کی تقویت میں جدوجہد۔ مسلمانوں کی امداد نیکیوں کی کثرت اور مخلوق خدا کی ہدایت۔ کفار سے قطع تعلق بے دینوں پر سختی وغیرہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے خدا کے نزدیک ثواب ہوتا ہے۔ یہ صفتیں مجموعی اعتبار سے حضرت صدیق اکبرؓ میں زیادہ پائی جاتی تھیں۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جس طرح سے آپ ایمان لائے۔ اسلام کی دعوت و نصرت دین کے لیے وقف ہو گئے عثمان۔ طلحہ۔ زبیر۔ سعد ابن ابی وقاص۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم جلیل القدر صحابہ ہیں مگر یہ سارے آپ کی وساطت سے اسلام لائے۔ آپ ہمیشہ اسلام کی سربلندی اور کفار کے جھگڑوں کے خاتمہ میں لگے رہے۔ نبی علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں بھی اور بعد میں بھی۔

صحیح بخاری میں ہے۔ کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرتؐ کی رسالت کے آغاز سے ہی جب شعائر اسلام کو برملا کرنے کی جرأت نہ تھی۔ اپنے دروازہ پر مسجد بنائی۔ اس میں نماز جاری کی

قرآن پڑھا جانے لگا ۔ لڑکے اور عورتیں وہاں آتیں اور قرآن سنتیں ۔

جمہور اہلسنت کا مذہب تو اسی ترتیب (یعنی ترتیب خلافت) پہ ہے ۔ امام مالک
بعض متقدمین اہل سنت نے حضرت عثمان اور حضرت علی کے بارے میں توقف سے کام لیا
حضرت امام مالک سے جب دریافت کیا گیا کہ ساری امت میں افضل کون ہے ۔ تو آپ نے فر
حضرت ابوبکر ۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما ۔ جب حضرت عثمان اور حضرت علی کے متعلق دریا
کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے دین کے پیشواؤں سے بارہا پوچھا ۔ مگر ایسا کوئی نہ ملا ۔
ایک کو دوسرے پر افضل قرار دیتا ہو ۔ امام الحرمین کا مسلک بھی ان دونوں کے بارے میں
ہے انہوں نے ابوبکر بن خزیمہ کی روایت سے حضرت علی کو حضرت عثمان غنی سے افضل قرار

جواہر الاصول میں لکھا ہے ۔ کہ اہل کوفہ کے علماء بھی حضرت علی کو حضرت عثمان پر افضل
دیتے ہیں ۔ ابن خزیمہ نے یہی نظریہ اختیار کیا ہے ۔ شیخ بن عمر بن صلاح کے مقدمہ میں بھی ا
کے مذہب کو حضرت علی کی فضیلت پر بیان کیا گیا ہے ۔ حضرت سفیان ثوری بھی اسی نظریہ
پابند تھے ۔ علمائے حدیث میں سے محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے حضرت علی کو حضرت عثمان
مقدم خیال کیا ہے ۔

امام محی الدین نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ کوفہ کے بعض اہل سنت حضرت
حضرت عثمانؓ کی افضلیت کے قائل نہیں تھے ۔ مگر صحیح اور مشہور قول یہی ہے کہ حضرت عثمان
حضرت علیؓ سے مقدم تھے ۔ امام نووی نے اصول حدیث میں لکھا ہے کہ سب اصحاب سے
تو حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں ۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ اور اس فیصلہ پر تمام اہل سنت کا اجماع
خطابی جو کوفہ کے علمائے اہل سنت میں سے تھے ۔ حضرت علی کو حضرت عثمانؓ پر مقدم لکھا
اور ابوبکر بن خزیمہ کا بھی یہی خیال ہے ۔ حضرت قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ
متقدمین نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر مقدم جانا ہے ۔ حضرت سفیان ثوری اسی بزرگ
سے تھے ۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت سفیان ثوری نے آخر عمر میں اپنے اس نظریہ سے
کر لیا تھا ۔

بیہقی نے اپنی کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ ابوثور کی شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ر

جب کہ کسی نے صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی تقدیم و تاخیر میں اختلاف
نہیں کیا۔ سب کے نزدیک حضرت ابوبکر حضرت عمر سے افضلیت اور تقدیم رکھتے ہیں۔ اختلاف تو
صرف حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے معاملہ میں پایا جاتا ہے۔ الغرض علمائے اہلسنت
کا یہ نظریہ ہے۔ کہ تمام صحابہ پر حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کو افضلیت حاصل ہے۔ لیکن فقہا اور محدثین
نے قصدیہ امالیہ کی شرح میں نقل کیا ہے۔ کہ چاروں بزرگوں کی افضلیت اہل بیت کے بعد آتی
ہے۔ ابن عبدالبر جو علمائے حدیث میں سے مشہور ہیں۔ اپنی کتاب استیعاب میں بیان کیا ہے
کہ بعض متقدمین نے حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں اختلاف کیا ہے۔
سلمان و ابوذر۔ مقداد۔ خباب۔ جابر۔ ابوسعید خدری۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہم نے روایت کی
ہے۔ کہ حضرت علیؓ سب سے پہلے ایمان لائے۔ لیکن ابوطالب کے خوف سے انہوں نے چھپالیا۔
چنانچہ صحابہ کی یہ جماعت حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ پر فضیلت دیتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ابن عبدالبر کا
کلام مقبول اور معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شاذ روایت ہے۔ جو جمہور کے قول کے سامنے کوئی حیثیت
نہیں رکھتی۔ جمہور ائمہ نے اجماع پر فیصلہ کیا ہے۔ اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ کی تفضیل میں اور روایات
بھی ملتی ہیں خطابی نے بعض مشائخ کے حوالہ سے ان روایتوں کو جمع کیا ہے کہ ابوبکر خیرٌ من علی و
علی افضل من ابوبکرؓ۔

امام تاج الدین السبکی جو علمائے شافعی میں بڑے معتبر مانے جاتے ہیں۔ حضرات حسنین کو
فضیلت دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ سیدالمرسلین کے گوشہ جگر تھے۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے کتاب
خصائص اور امام علم الدین عراقی نے نقل کیا ہے۔ حضرت فاطمہ اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہما
چاروں خلفاء سے افضل تھے۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جگر گوشہ رسول سے
کسی کو افضلیت نہیں دے سکتا۔ یہ ساری روایتیں جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں ہمارے
موضوع کے خلاف نہیں جاتیں اور نہ ہی ہمارے مدعا کے مخالف ہیں۔ کیونکہ ہم بیان کر آئے
ہیں کہ خاص قسم کی افضلیت وہ عام حالات میں کسی کی افضلیت کے معانی نہیں ہوتی فضائل ذات
اور چیز ہے اور کثرتِ ثواب اور نفع اسلام سے افضلیت حاصل کرنے کا اور مقام ہے۔ شرف
النسب کے اعتبار سے سید کونین کی اولاد پاک آپ کے گوشۂ جگر ہیں۔ وہ جگر پارے ہیں۔

جو غیر شان ان میں پایا جاتا ہے۔ شیخین میں نہیں اور کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا لیکن اس شرف النسب کے باوجود شیخین کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

ابوبکر بن خزیمہ نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دی ہے۔ اور جواہر الاصول میں لکھا ہے کہ اہل کوفہ بھی حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن خزیمہ نے یہ مسلک اختیار کیا۔ شیخ بن عمر بن صلاح کے مقدمہ میں بھی یہی تحریر ہے کہ کوفہ والے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل جانتے تھے، رضی اللہ عنہما۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ علمائے حدیث میں سے محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمان پر تقدیم دی ہے۔

امام فخر الدین نووی نے مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ کوفہ کے بعض اہلسنت حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر فوقیت نہیں دیتے۔ مگر صحیح اور مشہور یہی ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ پر مقدم ہیں۔ امام نوویؒ نے اصول حدیث میں لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ مطلقاً سب صحابہ سے افضل ہیں۔ اس کے بعد سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات پر ساری امت کا اجتماع ہے، خطابی نے جو کوفہ کے علمائے اہلسنت میں سے تھے۔ حضرت علیؓ کو حضرت عثمان پر مقدم لکھا ہے۔ اور ابوبکر بن خزیمہ بھی اسی طرف مائل ہیں۔ قسطلانی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض متقدمین نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر مقدم خیال کیا ہے۔ اگرچہ حضرت سفیان ثوری کا بھی یہی مسلک ہے۔ مگر بعض علما کا کہنا ہے کہ آپ نے آخر عمر میں اس نظریہ سے رجوع کر لیا تھا۔

بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ ابو ثور نے حضرت شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ اور تابعین میں سے ایک شخص بھی حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کی فضیلت میں اختلاف نہیں کرتا۔ اگر اختلاف ہے تو وہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی فضیلت میں رہا ہے۔ مشائخ اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سب پر مقدم ہیں اور اور اس فیصلہ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے۔

مگر بعض فقہا محدثین نے شرح قصیدہ امالیہ میں لکھا ہے کہ خلفائے اربعہ کی فضیلت اہل بیت کے بعد آتی ہے۔ ابن عبدالبر جو علمائے حدیث میں مشہور نے کہا ہے کہ متقدمین نے

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت اور فضیلت میں اختلاف کیا ہے۔ سلمان، ابوذر، مقداد، خباب، جابر، ابوسعید خدری اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ مگر حضرت ابوطالب کے ڈر سے خاموش رہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ حضرت علی حضرت ابوبکر صدیق پر فضیلت دیتے ہیں۔

بعض علمائے کرام نے ابن عبدالبر کے اس قول کو مقبول اور معتبر نہیں مانا۔ کیونکہ یہ ایک شاذ روایت ہے، جو جمہور کے قول کے بالکل خلاف ہے۔ ائمہ جمہور اس ضمن میں اجماعی طور پر نقل کرتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر افضل تھے۔ صحابہ کرام کی وہ جماعت جنہوں نے حضرت علی کی فضیلت میں لکھا ہے ان کا فیصلہ یہ ہے کہ ابوبکر خیر من علیؓ و علیؓ افضل من ابی بکر۔

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو شافعیہ کے جلیل القدر علماء میں سے ہیں، طبقات کبریٰ میں بعض متاخرین کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ حسنین کی تفضیل کے قائل تھے۔ حضور علیہ السلام کے ٹکڑے تھے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب خصائص میں امام علیم الدین عراقی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اور ان کے بھائی حضرت ابراہیم علیہما السلام باتفاق رائے چاروں صحابہ سے افضل ہیں۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ ما افضل علی بضعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدا۔ "حضور علیہ السلام کے گوشۂ جگر سے کوئی افضل نہیں ہے"۔ اس فضیلت سے مراد یہ ہے کہ دوسرے اہل بیت سے افضل ہیں۔ ورنہ فضیلت خلافت و ثواب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

افضلیت کے وجوہ خاص ہوتے ہیں۔ ایک وجہ کی افضلیت دوسری وجہ کی افضلیت کے منافی نہیں ہوا کرتی جن فضائل کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ کثرتِ ثواب اور نفع اہل اسلام کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ نسب و شرف و کرامت کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اس بات میں کوئی بھی شک نہیں کر سکتا کہ حضور علیہ السلام کی اولاد کو نسبی شرف اور قدر حاصل نہیں ہے۔ اور یہ شرف و قدر شیخین کے ہاں نہیں پائی جاتی، اور کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ باوجودیکہ شیخین سے اہل اسلام کو بہت فائدہ پہنچا خطابی نے بعض مشائخ کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خیر اور افضلیت

دو مختلف چیزیں ہیں۔ جس قول کو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق خیریت اور حضرت علی افضلیت کے مراتب پر ہیں، ہمارے قول کے منافی نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں وجوہات ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔ اگر ان لوگوں کی مراد کچھ اور ہے تو وہ صاف صاف بیان کریں تاکہ حقیقت حال معلوم ہو جائے۔

بہرحال علمائے متقدمین نے افضیلت اور خلافت کے موضوع کو قطعی اور ظنی دلائل سے مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ بعض نے ترتیب خلافت کو افضلیت پر محمول کیا ہے۔ بعض نے ثواب و فضائل کو افضلیت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ مگر صواعق محرقہ کے فاضل مصنف نے فیصلہ دیا ہے کہ ہم اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ ترتیب خلافت سے افضلیت کا مسئلہ ظنی ہے۔ لیکن شیعوں پر لازم آتا ہے کہ وہ حضرت علی کے قطعی فیصلہ کے پیش نظر اس مسئلہ کو قطعی جانیں۔ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت کو جزم و یقین سے تسلیم کریں۔ کیونکہ یہ لوگ حضرت علی اور دیگر ائمہ کی عصمت کے معتقد ہیں۔ اور معصوم کا علم سب کے لیے قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ معصوم جھوٹ بھی نہیں کہتا۔ اور یہ بات صحیح روایات سے ثابت اور تواتر سے نقل ہوتی چلی آئی ہے کہ حضرت علی اپنی خلافت کے زمانہ میں اپنے رفقاء (شیعوں) کے سامنے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف اور توصیف کے ساتھ ساتھ ان کی افضلیت کو برملا اور علانیہ بیان کرتے رہے ہیں۔

ذہبی نے ۸۰ سے زیادہ حضرات سے صحیح سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ اور صحیح بخاری کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ:

خیر الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر ثم عمر ثم رجل آخر۔

آپ کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنفیہ نے کہا "ثم انت" تو آپ نے فرمایا "میں ایک عام مسلمان ہوں"۔ یہ حدیث متعدد واسطوں سے صحیح مانی گئی ہے۔

بعض روایتوں میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا "مجھے پتہ چلا ہے کہ بعض لوگ مجھے شیخین پر فضیلت دیتے ہیں۔ یہ لوگ مفتری ہیں۔ اگر وہ مجھے ملے تو میں انہیں افترا کی سزا دوں گا۔"

حضرت امام مالک نے امام جعفر سے اور انہوں نے امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ حضرت

علی حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ حضرت عمرؓ اس وقت چادر لپیٹے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ شخص اللہ کا پیارا اور محبوب ہے۔ وہ اپنے نامۂ اعمال سمیت اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔

دار قطنی سے روایت کی ہے کہ ابو جحیفہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساری امت سے افضل اعتقاد کرتے تھے۔ ایک جماعت اس بات کے مخالف بھی تھی۔ ان کی مخالفت سے آپ کو سخت رنج ہوا اور حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ انہیں غمگین دیکھ کر علیحدہ لے گئے۔ ان سے فرمایا "اے ابا جحیفہ، اس رنجش کا کیا سبب ہے؟ اس نے اپنا حال بیان کیا تو آپ نے فرمایا" ابی جحیفہ، سنو! میں تمہیں بتاؤں کہ اس امت کا اس وقت بہترین انسان کون ہے۔ اس امت میں سب سے بہتر حضرت ابو بکرؓ ہیں، اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔ ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ حدیث میں نے حضرت علی کی زبان مبارک سے بالمشافہ سنی تھی، اور میں اسے ہرگز چھپا نہیں سکتا۔ حضرت جحیفہ مزید فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث اپنے کانوں سے سنی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کے ممبر پر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر ہیں اور پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اسی قسم کی بہت سی احادیث ہیں جو تواتر سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہنچیں۔ مگر شیعہ حضرات یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ یہ ساری باتیں تقیہ کے طور پر کہی گئی تھیں یعنی حضرات شیخین کی کی تعریف محض جان کے خوف اور دشمنوں کے ڈر سے کیا کرتے تھے۔ اگر ایسا نہ کہتے تو ان کی جان کو خطرہ تھا۔ مگر دلی طور پر حضرت علی حضرت شیخین کے خلاف تھے۔

شیعوں کے اس بیان میں قطعاً کوئی صداقت نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت علی جو شیر خدا تھے اور مرکز دائرۂ حق تھے، اتنے ذلیل، مغلوب اور عاجز ہو گئے تھے کہ وہ حق بیان کرنے سے قاصر رہے، اور ساری زندگی خوف و عجز میں گزار دی۔ پھر اسد اللہ الغالب کا لقب کیا معنی رکھتا ہے۔ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ کے مظہر ہوں اور علی مع القرآن و قرآن مع علی ان کی تعریف میں آئے تو خوف و عجز اور حق پوشی کی کیا ضرورت درپیش ہوئی؟

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ حضرت علی پر اُمت نے اتفاق نہ کیا اور اکثر لوگ آپ سے متفق نہ ہو سکے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

حق گوئی کے معاملہ میں بڑے بے باک تھے۔ وہ حق گوئی میں کسی کی رو رعایت نہیں کیا کرتے تھے اور کسی سے مداہنت اور مبالات نہیں رکھتے تھے۔ حضرت شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ زاہد تھے، اور دنیا داروں سے بہت کم ملتے۔ عالم تھے، اور عالم دوسروں کی خوشامد نہیں کیا کرتا۔ وہ بہادر اور شجاع تھے، اور بہادر کسی سے ڈرا نہیں کرتا۔ وہ شریف تھے، اور شریف کسی کی پروا نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ آپ سے متنفر رہتے، اور آپ بھی لوگوں سے نفرت کرتے۔

ایسے شخص سے تقیہ کی توقع رکھنا ناممکن ہے۔ شیخین کے زمانہ خلافت میں ظاہر تقیہ ہوتا تو ممکن تھا۔ مگر اپنی خلافت اور اقتدار کے زمانہ میں خلوت اور خاص احباب میں بھی اس قسم کے بیانات کیونکر تقیہ پر محمول کیے جا سکتے ہیں؟ امام محمد باقر اور آپ کے آباؤ اولاد سے اس قسم کے سوالات ہوتے رہے کہ آپ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ سب نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم انہیں نہایت دوست رکھتے ہیں۔ جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ ایسی باتیں تقیہ کے طور پر کہتے ہیں، اور آپ کے دل میں اس کے خلاف باتیں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا خوف زندوں سے ہوا کرتا ہے۔ مردوں سے نہیں ہوتا۔ امام باقر رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا کہ ہشام بن عبدالملک بن مروان کو سب برا کہتے ہیں، وہ اپنے وقت کا ایک کامیاب بادشاہ تھا۔ اگر ہم تقیہ کرتے تو اسے بھی اچھا کہتے۔

حضرت امام باقر کے ان خیالات کی روشنی میں ہم کیسے یقین کر لیں کہ حضرت علی تقیہ کرتے تھے۔ جو بڑے بہادر، شجاع اور عادل تھے۔ وہ میدان جنگ میں سب پر چھائے رہتے تھے۔ اگر انہیں خوف دامنگیر ہوتا تو وہ حضرت امیر معاویہ اور بنی مروان سے کبھی نہ لڑتے۔ حالانکہ یہ لوگ بڑے طاقتور تھے۔ وہ باغیوں سے لڑے۔ خارجیوں سے مقابلہ کرتے رہے۔ اور ان زمانوں میں تائید حق سے جنگ وجدال سے کبھی نہیں ڈرے۔ وہ ہمیشہ اعتدال پر رہے جونہی انہوں نے دین کے معاملات میں سستی دیکھی وہ اس کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ اور انہوں نے دین کے معاملات میں اپنے دوستوں کو بھی جو افراط و تفریط کا شکار تھے معاف نہیں کیا اور انہیں باہر نکال دیا۔ چنانچہ عبداللہ بن سبا کو مدائن کی طرف جلا وطن کر دیا، اور حکم دیا کہ جس شہر میں ہم ہوں ابن سبا نہ آئے۔

ابن سبا اصل میں یہودی تھا۔ جو ظاہری طور پر آپ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ لیکن دلی طور پر منافق تھا وہ رافضیوں کا پیشوا بنا، اور اس مذہب کا موجد بنا تاکہ صحابہ کرام کو برا بھلا کہا جائے۔ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خدا کہلانے لگا۔ آپ نے اس کی ایسی ہی باتیں سن کر اسے جلاوطن کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مدح و ثنا میں اتنے خطبے کہے ہیں کہ ان کے مطالعہ کے بعد کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں رہتی۔ اگر علمائے اہل سنت حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر بلکہ اس افضلیت کی قطعیت پر یقین رکھتے ہیں تو وہ حق پر ہیں۔ بعض حق پسند شیعہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عبدالرزاق جو صاحب علم اور صاحب ثروت بزرگ تھے شیخین کی افضلیت اسی لیے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں افضل مانا تھا۔ یہ کتنی ناانصافی ہے کہ حضرت علی کی مدح کرنے والے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلہ سے گریزاں ہیں۔

مندرجہ بالا اقتباس ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے میں سے تھا۔ ہمیں ان کتابوں پر بھی اسی نقطہ نظر سے نگاہ ڈالنی چاہیے جن میں اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ تاکہ حقیقتِ حال واضح ہو جائے۔

عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم:

چار خلفاء کے بعد عشرہ مبشرہ کی افضلیت آتی ہے۔ عشرہ مبشرہ میں مندرجہ ذیل دس صحابہ کے نام آتے ہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی تھی:

ابوبکر فی الجنۃ وعمر فی الجنۃ وعثمان فی الجنۃ وعلی فی الجنۃ و طلحۃ فی الجنۃ والزبیر فی الجنۃ وعبدالرحمٰن بن عوف فی الجنۃ وسعد بن ابی وقاص فی الجنۃ وسعید بن زید فی الجنۃ وابوعبیدۃ ابن الجراح فی الجنۃ۔

یہ دس حضرات تمام اُمت سے بہتر اور افضل ہیں۔ یہ مہاجرین کے پیشوا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ان حضرات کے مراتب اور اسلامی خدمات اس قدر ہیں جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں۔

ان بزرگوں کا بہشتی ہونا قطعی ہے لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ ان کے علاوہ دوسرے قطعی بہشتی نہیں ہیں کیونکہ ان کے علاوہ بھی حضور علیہ السلام نے جنت کی بشارت دی ہے۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا، حسن وحسین رضی اللہ عنہما، خدیجۃ الکبریٰ، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت حمزہ وعباس، سلمان وصہیب، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو بھی جنت کی بشارت ملی تھی۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے ان لوگوں کا ذکر بھی جنتیوں میں کیا ہے۔ عقاید میں ان کا بیان اس لیے آیا ہے کہ یہ لوگ اپنی خدمات کی وجہ سے اسلام میں بڑی شان کے مالک ہیں، مگر بعض ایسے لوگ جن کے دل زنگ آلود ہیں، ان حضرات کی بے ادبی سے نہیں چوکتے اور ان سے بغض رکھتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی پرزور مذمت کی جائے۔

عوام جانتے ہیں کہ ان دس بزرگوار کا قطعی جنتی ہونا بشارت مصطفیٰ سے ثابت ہے مگر ان لوگوں کا یہ گمان غلط ہے اور جہل ہے۔ بعض عربی خواں طالب علم بھی جاہل عوام کے ہمنوا ہو کر یوں کہتے ہیں "اور اوروں کو بھی تو بشارت ہے"۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ ان دس حضرات کی بشارت قوت اور شدت میں متواتر ہے۔ یہ لوگ احادیث کی پہچان بین سے کورے محض ہیں۔

عشرہ مبشرہ کی قطعی بشارت جنت کی بحث کو ہم نے اپنی کتاب "تحقیق الاشارہ فی تعمیم البشارۃ" میں تفصیلی طور پر بیان کر دیا ہے اور احادیث میں جتنے اہل بشارت کے نام آئے ہیں، یا میری نظر سے گزرے ہیں، تمام کا ذکر کیا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ چار خلیفوں، حضرت فاطمہ زہرا، حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے بزرگانِ دین کی بشارت تواتر معنوی درجہ رکھتی ہے، مگر دس کی بشارت شہرت کی حیثیت رکھتی ہے۔

بعض کی بشارت احاد کے درجہ تک ہے۔ جن کے لیے مخصوص بشارت نہیں آئی ان کے لیے یوں کہا جائے گا کہ مومن جنتی ہے اور کافر جہنمی۔ مگر قطعی طور پر کس کو جنتی کہا جا سکتا ہے تفصیلی طور پر مذکورہ بالا کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔

اہل بدر :-

عشرہ مبشرہ اہل بدر کو فضیلت حاصل ہے۔ واقعہ بدر ہجرت کے دوسرے سال میں رونما ہوا تھا۔ اس واقعہ سے اسلام کی شہرت کا سکہ دنیائے عرب پر بیٹھ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے وہ وعدے جو نبی علیہ السلام سے کیے گئے تھے۔ پورے ہو گئے۔ دین اسلام کے بدترین دشمن جو صنادید قریش کہلاتے تھے۔ میدان بدر میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان میں عتبہ۔ شیبہ۔ ابوجہل جیسے (لعنۃ اللہ علیہم) جو خاص طور قابل ذکر ہیں۔ واصل جہنم ہوئے۔

اس معرکہ میں پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لیے آئے۔ اور باقاعدہ شریک معرکہ رہے عشرہ مبشرہ (جن کا پہلے ذکر آچکا ہے) اس معرکہ بدر میں شریک تھے۔ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شریک جنگ نہ ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیمار پرسی کے لیے مدینہ میں رہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس بیمار پرسی کی وجہ سے اہل بدر میں شمار کیا ہے۔ اور مال غنیمت کے پورے حصہ کا مستحق گردانا ہے۔

اہل بدر کی تعداد تین سو تیرہ۔ یہ سارے کے سارے قطعی جنتی ہیں۔ قرآن کی یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی۔

ان اللہ قد اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔	بے شک جب اہل بدر نے (اپنے کارناموں کا) اللہ تعالیٰ کے سامنے مظاہرہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم جو چاہو کرو۔ میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا۔

لن یدخل اللہ النار رجلا شھد بدرا والحدیبیۃ۔	اس شخص کو ہرگز آگ نہیں چھو سکے گی جو میدان بدر یا میدان حدیبیہ میں حاضر ہوا ہو۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔ جو فرشتے میدان بدر میں شریک تھے۔ ان کی فضیلت دوسرے فرشتوں سے بہت زیادہ ہے۔

— اہل احد :-

اہل بدر کے بعد غزوہ احد میں شریک ہونے والوں کا رتبہ آتا ہے۔ یہ معرکہ ہجرت کے چوتھے سال رونما ہوا۔ اس معرکہ میں اہل اسلام کو بڑے امتحان اور دشواری سے گذرنا پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک اسی معرکے میں مجروح ہوئے تھے۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیے۔ کہ حضور کا کوئی دانت مبارک پورا ٹوٹ گیا تھا۔ یا جڑ سے نکل گیا تھا حقیقت یہ ہے۔ دانت مبارک کا ایک گوشہ مجروح ہوا تھا۔ اور اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا تھا۔

سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب شہدائے احد میں سے تھے۔ اس جنگ میں صحابہ کرام میں سے ستر بزرگ شہید ہوئے۔ عشرہ مبشرہ بھی شریک غزوہ احد تھے۔ اس معرکہ میں کفار کا سربراہ ابو سفیان اموی تھا۔ جس نے جنگ بدر میں شکست کے بعد قسم کھائی تھی۔ کہ جب تک انتقام نہ لے گا۔ بیوی سے جماع اور غسل نہیں کرے گا۔ فتح مکہ کے بعد ابو سفیان اور معاویہ بن ابی سفیان مشرف باسلام ہوئے۔

— اہل بیعت رضوان :-

بیعت الرضوان اس بیعت کا نام ہے۔ جو مسلمانوں نے صلح حدیبیہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کی تھی۔ قرآن پاک میں آیا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔	اللہ تعالیٰ ان مومنین پر راضی ہو گیا۔ جنہوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔

لا يدخل النار من بايعني تحت الشجرة	جس نے میرے ہاتھ پر شجر رضواں کے نیچے بیعت کی۔ وہ آگ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

یہ سارے اصحاب اہل بہشت میں سے ہیں۔ یہ ترتیب فضیلت جو ہم نے بیان کی ہے۔ وہ ابو منصور عتبی سے نقل کی ہے۔ مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درجات و مقامات اور فضائل احادیث میں پائے جاتے ہیں۔ مگر ان حضرات کی برأت و بخشش تو یقینی طور پر واضح فرما دی گئی دیگر سے صحابہ کرام کے ناموں کی تصریح کتابوں میں نہیں ملتی۔

صحابہ کرام کے بعد فضل و کرامت علم و تقوی کی بنا پر ہوگی کیونکہ ۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ تم میں سے مکرم ترین وہ شخص ہے جو تقوی میں برتر ہو۔

بعض علماء کرام نے اولادِ صحابہ کو بھی ان کے آباؤ اجداد کی فضیلت پر فضیلت دی ہے۔ مگر یہ بات متفق ہے کہ اولاد حضرت فاطمۃ الزہرہ سب سے افضل ترین ہے ۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہ :۔

حضرت فاطمۃ الزہرا جنت کی عورتوں کی سیدہ ہیں ۔ اور حضرت حسن و حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں ۔ ہم نے اس مسئلہ کو علیحدہ تفصیلی طور پر عقائد میں بیان کیا ہے ۔ اور ان کی قطعی جنتی ہونے پر تفصیلی گفتگو کی ہے ۔ حالانکہ بعض بزرخود غلط مصنفین بشارت بخشش کی قطعیت محض عشرہ مبشرہ تک محدود کرتے ہیں ۔ اکثر علماء کرام نے رافضی مصنفین کے علی الرغم عشرہ مبشرہ کا ذکر بڑے تخصیص سے کیا ہے ۔ مگر ناصبی مصنفین کے علی الرغم ان تین پاک وجودوں کا ذکر اور اہل بیت کے فضائل بیان میں بھی مناسبت ہے ۔

یہ حدیث فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی فضیلت دنیا کی تمام عورتوں پر ثابت کرتی ہے ۔ حتی کہ اہل جنت کی تمام عورتوں ۔ مثلاً مریم ۔ بنت عمران اور عائشہ و خدیجہ رضی اللہ عنہما سے فضیلت دی ہے ۔ علامہ جلال سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے ۔

بعض احادیث میں جہاں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے متعلق فضیلت بیان کی گئی ہے ۔ مگر بعض احادیث میں تمام عورتوں سے حضرت مریم علیہ السلام کو افضل بیان کیا گیا ۔ ایسی احادیث میں حضرت فاطمۃ الزہرہ کو مستثنی قرار دیا گیا ہے ۔

حضرت فاطمہ اور اہل بیت :۔

ایک اور مقام پر دنیا کی بہترین عورتوں میں حضرت فاطمہ حضرت خدیجہ حضرت عائشہ حضرت مریم حضرت آسیہ رضی اللہ عنہن کو شمار کیا گیا ہے ۔ اس حدیث میں مساوات اور توقف بیان کرنا مقصود ہے ۔ ایک اور حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وجود امت رسول میں ایسا ہے جیسے حضرت مریم کا قوم عیسی میں ہے ۔

بعض علماء امت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت فاطمۃ الزہرا سے افضل قرار دیتے ہیں ان کی رائے ہے۔ کہ حضرت عائشہ جنت میں رسول خدا کے ساتھ ہوں گی۔ اور حضرت زہرا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ۔ اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ مقام و مکان نبوت حضرت علی کرم اللہ عنہ سے بلند واقع ہے۔ لیکن بعض احادیث میں یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ میں۔ فاطمہ۔ علی حسن اور حسین ایک مکان اور ایک مقام میں ہوں گے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ تھیں۔ اور خلفاء اربعہ کے دور میں آپ باقاعدہ فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ اور اجتہاد فرمایا کرتی تھیں۔ بعض علماء کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ۔ حضرت خدیجہ کے بعد افضل النساء ہیں۔ علامہ سیوطی نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے۔ کہ اس مسئلہ میں تین رائیں ہیں مگر بہترین رائے یہ ہے۔ کہ فاطمۃ الزہرا حضرت عائشہ سے افضل ہیں۔ بعضے اہل علم نے دونوں کو مساوی حیثیت دی ہے۔ بعضے حضرات اس مسئلہ پر توقف اختیار کرتے ہیں۔ احناف کے اکثر و بیشتر علما اور بعض حضرات شافعیہ توقف کرتے ہیں۔ حضرت مالک سے جب پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ فاطمہ رسول پاک کا جگر پارہ ہیں۔ اور جگر پارہ سے افضل تر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں رسول اللہ کے جگر پارہ پر کسی دوسری شخصیت کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

امام سبکی فرماتے ہیں۔ ہمارے دین اور ہمارے مختار کی رائے ہے۔ حضرت فاطمہ ہی افضل ہیں۔ اس کے بعد آپ کی والدہ حضرت خدیجہ اور اس کے بعد حضرت عائشہ ہیں۔ (رضی اللہ عنہن)

حضرت سیوطی فرماتے ہیں۔ کہ حضرات فاطمہ اور مریم افضل ترین عورتیں ہیں۔ اور حضرات عائشہ و خدیجہ افضل ترین اُمہات ہیں۔ خصائص خیضری میں ہے۔

خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ متقدمین علماء کے ایک طبقہ نے تصریح کی ہے۔ حضرت خدیجہ افضل ہیں۔ بعض احادیث میں آیا ہے۔ کہ دنیا کی عورتوں میں سے افضل و اکمل عورتیں حضرت مریم۔ بنت عمران۔ حضرت فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آسیہ زوجہ فرعون ہیں۔ (بعض روایتوں میں آسیہ زوجہ فرعون کی بجائے آسیہ بنت فراحم کہا ہے)

شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔ کہ اس حدیث میں فضیلت کے ساتھ تصریح کی گئی ہے کہ فاطمۃ الزہرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے افضل ترہیں۔ فضیلت عائشہ والی حدیث میں فضل عائشہ علی النساء

کفضل الثرید علیٰ غیرہ من الطعام سے دلیل یہ ہے۔ کہ مذکورہ بالا چار عورتوں کے علاوہ دنیا کی تمام عورتوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فضیلت ہے۔

اس ضمن میری (مصنف شیخ عبدالحق محدث دہلوی) کی رائے یہ ہے۔ کہ سچی بات یہ ہے فضیلت کے وجوہ واسباب مختلف ہیں۔ لیکن احادیث کے مطالعہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رسول اکرم صلی اللہ وسلم کو ساری اولاد سے زیادہ پیاری تھیں۔ اور حضرت خدیجہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سب سے محبوب بیوی تھیں۔ چونکہ فضیلت اور محبت کی وجوہات مختلف ہوا کرتی ہیں اس لیے اس مسئلہ کو سمجھنا دشوار ہو جائے گا۔ بعض احادیث میں آیا ہے۔ عورتوں میں سے محبوب ترین شخصیت حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ اور محبوب ترین مرد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ ایک اور جگہ آیا ہے۔ کہ تمام انسانوں میں محبِ خاص حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ بعض علماء نے اگرچہ نہایت سخت رائے دی ہے۔ جو نہایت شاذ مقامات سے لی گئی ہے۔ کہ حضرت عائشہ ہر غیر سے فاضل ترین ہیں حتیٰ کہ وہ اپنے والد بزرگوار سے حضرت صدیق اکبر سے بھی افضل تھیں۔ اگر ہم فضیلت اور محبت کے تقاضوں کو سامنے نہ رکھیں۔ تو اس مسئلہ میں بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے۔ افضیلت کثرت ثواب سے حاصل ہوا کرتی ہے۔ اور یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہی ہے۔ مگر شرف ذات، طہارت، سیرت اور پاک طینت ہونے کی وجہ سے کوئی شخصیت بھی حضرت فاطمہ، حسن و حسین اور دوسرے اہل بیت کے مراتب کو نہیں پہنچ سکتا۔

خلافت :-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت صرف تیس سال تک تھی۔ اس کے بعد ملوکیت و امارت تھی۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔

الخلافة بعدی ثلثون سنة ثم یصیر بعدھا ملکا عضوضا۔	میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔ اس کے بعد خلافت نہیں ہوگی۔ نقصان دہ ملوک ہوں گے۔ جن کے زہر سے بہت کم لوگ سلامت رہ سکیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ تیس سال کا عرصہ مکمل ہو جاتا ہے۔ تحقیق یہ ہے

کہ ابھی تیس سال میں سے چھ ماہ باقی تھے۔ کہ امام المسلمین حضرت حسن بن علی ابی طالب خلیفہ رہے۔ آپ کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کا تیس سالہ دور ختم ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں تھے۔ بلکہ امیر و بادشاہ تھے۔ جو لوگ امرائے عباسیہ کو خلفاء میں شمار کرتے ہیں۔ مجازی اور اصطلاحی معنوں میں لکھتے ہیں۔

احناف کے محقق شیخ کمال بن ہمام مسایرہ میں لکھتے ہیں۔ کہ تمام اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت معاویہ بادشاہ تھے۔ اور خلیفہ نہیں تھے۔ اہل سنت کے مشائخ اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ حضرت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد کسی دوسرے کو امام نہیں مانتے مگر بعض مشائخ نے امامت کو بعد از حضرت علی بھی روا رکھا ہے۔ جو مشائخ امیر معاویہ کو امام تسلیم کرنے کے حق میں ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے۔ کہ حضرت حسن نے جب آپ کو امام تسلیم کر لیا۔ تو ہم بھی انہیں تسلیم کریں گے۔

مسلک اہل سنت و جماعت :-

اہل سنت و جماعت کا مسلک یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو ہمیشہ نیک الفاظ سے یاد کرنا چاہیئے۔ بغض سب و شتم، اعتراضات و انکار ان کی ذات پر کرنا نامناسب ہے اور ان کے معاملہ میں کسی کی بے ادبی روا نہیں رکھنی چاہیے۔ کیونکہ ان لوگوں کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ صحبت نے پاک کر دیا تھا۔ ان کے فضائل، مناقب اور درجات میں باکثر آیات قرآنی اور احادیث نبوی موجود ہیں۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ــــ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ــــ اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ ــــ اَكْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّهُمْ خِیَارُكُمْ ــــ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ ــــ مَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَی اللّٰهَ فیوشك ان یاخذہ۔

صحابہ کرام کے بعض اختلافات یا صحابیات یا اہل بیت کے حقوق میں کوتاہی اور ان کے آداب میں کمی کی روایات ملتی ہیں۔ ان سے اعراض کرنا ضروری ہے۔ اور نظر انداز کر دینا چاہیے۔ اور گفت ناگفتہ اور شنیدہ ناشنیدہ پر عمل کرنا چاہیے۔ کیونکہ حضور علیہ وسلم کے ساتھ ان کی محبت اور مجلس یقینی امر

ہے۔ مگر اہل بیت کے ساتھ معاملات محض ظنی ہیں۔ اور یقین کی فضیلت کو چھوڑ کر ظن اور گمان کے اختلافات میں پڑنا درست نہیں۔ ان اختلافی امور میں سے اسلامی حدود کا تعین حضرت معاویہ عمر بن العاص۔ مغیرہ بن شعبہ اور اس قسم کے بزرگوں کے معاملات ہیں۔ جو شخص بھی مشائخ اہل سنت و جماعت کے طریق کار پر عمل کرے گا۔ اسے ان معاملات میں بغرض طعن سے زبان بند رکھنا پڑے گی۔ اگرچہ بعض معاملات کو اصحاب تاریخ و سیر نے متواتر لکھا ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے معاملات کے مطالعہ سے اگرچہ طبیعت میں کدورت اور دل میں نفرت پیدا ہوئے بغیر چارہ کار نہیں۔ تاہم چشم پوشی اور لف لسان ضروری ہے۔

غزوہ صفین میں ایک شخص کو حضرت معاویہ کی فوجوں سے قید کر کے لایا گیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص کو اس پر ترس آگیا۔ وہ کہنے لگا۔ خدا کی قسم! میں اسے جانتا ہوں کہ یہ مسلمان تھا۔ اور بڑا صالح مسلمان تھا۔ افسوس کہ اس کا خاتمہ اس حالت پر ہو رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کیا کہتے ہو۔ وہ اب بھی مسلمان ہی ہے۔ پھر دلیل قطعی کے ہوتے ہوئے سب و شتم تو سخت ناروا ہے۔ جیسے بعض نادان حضرت عائشہ کی طہارت میں نصوص قرآنی کے باوجود زبان درازی سے کام لیتے ہیں۔

حضرت معاویہ کا انجام:۔

علمائے اہل سنت کا مسلک ہے۔ حضرت معاویہ کے تمام مجادلات حضرت علی رضی اللہ عنہ (جو خلیفہ برحق اور امام مطلق تھے) کے خلاف بغاوت و خروج پر محمول کیے جائیں۔ حدیث عمار بن یاسر جو تواتر کے ساتھ شہرت رکھتی ہے آیا ہے۔

تقتلك الفئة باغية تدعوهم الى الجنة ويدعونك الى النار۔

اس بات کی دلیل ہے۔ کہ یہ معاملہ موجب کفر اور مستوجب لعنت نہیں تھا۔ سلف صالحین اور علماء مجتہدین میں سے کسی نے بھی حضرت معاویہ پر لعنت نہیں بھیجی۔

حقیقت یہ ہے۔ علمائے اہل سنت کی عادت ہے کہ وہ لعن و طعن سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔ المؤمن لیس بلعان لعنت تو کسی بھی شخص کے لیے زیبا نہیں۔ خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ کیا معلوم کہ عاقبت کار ایمان و سعادت کی دولت لے کر گیا ہو۔ مگر جس شخص کی موت یقین سے معدوم

ہو کہ کفر پر ہوئی ہے۔ اسے کافر کہا جا سکتا ہے۔

یزید کا حشر :-

بعض علمائے اہل سنت تو یزید کے معاملہ میں بھی توقف سے کام لیتے ہیں۔ مگر بعض غلو و افراط کی وجہ سے اس کی شان و منزلت بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ چونکہ وہ مسلمانوں کی اکثریت کی بنا پر امیر مقرر ہوا تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ پر ضروری تھا۔ کہ ان کی اطاعت کرتے ــــ نعوذ باللہ من ھذا القول ومن ھذا الاعتقاد۔

یزید امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے امیر ہو کیسے سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کو اجماع اس پر کس طرح واجب آتا ہے۔ جب کہ اس وقت کے صحابہ کرام اور صحابہ کی اولاد جو بھی موجود تھی اس کی اطاعت سے بیزاری کا اعلان کر چکے تھے۔ مدینہ منورہ سے چند لوگ اس کے پاس شام میں جبر و اکراہ سے پہنچائے گئے تھے۔ مگر یزید کے ناپسندیدہ اعمال کو دیکھ کر واپس مدینہ چلے آئے۔ اور عارضی بیعت کو فسخ کر دیا۔ اور ان لوگوں نے برملا کہا کہ وہ خدا کا دشمن ہے۔ شراب نوش ہے۔ تارک الصلوٰۃ ہے۔ زانی ہے۔ فاسق ہے۔ محارم سے صحبت کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔

ایک طبقہ ایسا بھی ہے۔ جس کی رائے ہے۔ کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور نہ ہی وہ شہادت حسین پر رضامند تھا۔ حضرت حسین اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شہادت سے وہ کبھی بھی مسرور و مطمئن نہیں ہوا۔ ہمارے نزدیک یہ رائے مردود اور باطل ہے۔ کیونکہ یزید کی اہل بیت سے عداوت اور اہل بیت کی اہانت و ذلت کے واقعات تواتر کے ساتھ اس سے سرزد ہوتے رہے۔ ان تمام واقعات سے انکار کرنا از راہ تکلف ہے۔

ایک طبقہ کی رائے یہ ہے۔ کہ قتل حسین دراصل گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ ناحق مومن کا قتل کرنا گناہ کبیرہ میں آتا ہے۔ کفر میں نہیں آتا۔ مگر لعنت تو کافروں کے لیے مخصوص ہے۔ ایسی رائے کا اظہار کرنے والوں پر افسوس ہے۔ وہ نبی علیہ السلام کے کلام سے بھی بے خبر ہیں۔ کیونکہ حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد سے بغض و عداوت اور انہیں تکلیف و توہین کرنا باعث ایذاء عداوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں یہ حضرات یزید کے متعلق کیا فیصلہ کریں گے۔ کیا اہانت رسول اور عداوت رسول بھی کفر و لعنت کا سبب نہیں ہے۔ اور یہ بات جہنم کی آگ میں پہنچانے کے لیے کافی نہیں۔ آیتہ

کریمہ ملاحظہ ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا

وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے وہ یقیناً دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق ہیں۔ اور خدا نے ان کے لیے دردناک عذاب مقرر کیا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ چونکہ یزید کے خاتمہ کے متعلق کوئی علم نہیں ہو سکتا ہے۔ کہ ارتکاب کفر و معصیت کے بعد اس نے توبہ کر لی ہو۔ اور آخر کار تائب ہو گیا ہو۔ حضرت امام غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ علمائے سلف اور مشاہیر امت میں سے بعض نے جن میں امام احمد بن حنبل جیسے بزرگ شامل ہیں۔ یزید پر لعنت کی ہے۔ ابن جوزی جو شریعت اور حفظ سنت میں بڑے متشدد تھے۔ اپنی کتاب میں لعنت بر یزید کو تو علمائے سلف سے نقل کیا ہے۔ بعض علمائے کرام نے لعنت کرنے کی ممانعت کی ہے۔ اور بعض توقف کرتے ہیں۔

ہماری رائے میں یزید مبغوض ترین انسان تھا۔ اس بدبخت نے جو کارہائے شنیع سرانجام دیے ہیں۔ امت رسول میں سے کسی سے نہیں ہو سکے۔ شہادت حسین اور اہانت اہل بیت سے فارغ ہو کر اس بدبخت نے مدینہ منورہ پر لشکر کشی کی۔ اور اس مقدس شہر کی بے حرمتی کے بعد اہل مدینہ کے خون سے ہاتھ رنگے۔ اور باقی ماندہ صحابہ رسول اور تابعین اس کی تیغ ستم کی نذر ہو گئے۔ مدینہ منورہ کی تخریب کے بعد اس نے مکہ معظمہ کی تباہی کا حکم دیا۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذمہ دار ٹھہرا۔ اور انہی حالات میں وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور اس کی توبہ اور رجوع کا مزید حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اور دوسرے اہل ایمان کے دلوں کو یزید کی محبت والفت۔ اس کے مددگاروں اور معاونین کی موانست اور ان تمام لوگوں کی دوستی جو اہل بیت نبوی کے بدخواہ رہے ہیں۔ اور ان کے حقوق کو پامال کرتے آئے ہیں۔ اور ان سے محبت و صدق عقیدت سے محروم رہے ہیں۔ سے محفوظ ومامون رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے احباب کو اہل بیت اور ان کے نیک خواہوں کے زمرے میں رکھے۔ اور دنیا و آخرت میں اہل بیت کے مشرب و مسلک پر رکھے۔ بِحُرْمَۃِ النَّبِیِّ وَاٰلِہِ الْاَمْجَادِ وَبِمَنِّہٖ وَکَرَمِہٖ وَھُوَ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ۔

مجتہد کا مقام:۔

سچا مذہب یہ ہے۔ کہ مجتہد بعض اوقات غلطی کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ مگر اجتہادی غلطی میں وہ معذور سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اس غلطی کے ارتکاب میں بھی اسے اجر و ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی انتہائی کوشش اور دیانت دارانہ رائے سے کام کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ایسی اجتہادی کوشش کا ثواب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔

اِنْ خَطَاْتَ فَلَكَ حَسَنَةٌ وَ اِنْ اَصَبْتَ فَلَكَ حَسَنَتَانِ۔ اگر تم اجتہاد میں بھول گئے تو تمہیں ایک نیکی ملے گی۔ اگر کامیاب رہے تو تم دو نیکیوں کے حق دار ہو گے۔

بعض علماء کرام کی رائے میں ہر مجتہد کامیاب ہوتا ہے۔ اور اس کی سچائی کی یہی ایک علامت ہے۔ کہ وہ اجتہاد میں کوشاں ہوتا ہے۔ اس کی رائے میں اختلاف محض فقہی مسائل۔ فروعی معاملات میں ہوتا ہے۔ اور ان حالات میں ظن اولیٰ ہی سچائی کی دلیل ہے۔ یقینی فیصلہ ضروری نہیں ہیں۔ مگر ایسا نہ ہوتا تو اعتقادیات کلامیہ مسائل برحق ہوتے۔ کیونکہ یہ واقعہ اور نفس الامر کی خبر ہے۔ اور واقع اور نفس الامر ایک چیز نہیں ہو سکتے۔ اجتہاد کی شرطیں ان کے احکام غیر مجتہد کی تقلید اور اس قسم کے دوسرے مسائل اپنے مقام پر آئیں گے۔

اہل قبلہ کی تکفیر:۔

اہل قبلہ کو یعنی وہ لوگ جو نماز قبلہ رو ہو کر ادا کرتے ہوں۔ اور کتاب و سنت پر ایمان رکھتے ہوں۔ اور خدا اور اس کے رسول کی وحدانیت و رسالت کی شہادت کا اقرار کرتے ہوں۔ کافر نہیں کہنا چاہیے۔ اگرچہ ان کے بعض کلمات سے کفر بھی لازم آئے۔ لیکن ایسے کفریہ کلمات پر تواتر سے اصرار کرنے والے کو ضرور کافر کہنا پڑے گا۔ جہاں تک ہو سکے۔ مسلمانوں کے ایسے کلمات کی توجیہہ و توضیح ہمیشہ اچھے الفاظ میں کرنا چاہیئے۔ اور تکفیر و تغلیظ کو وطیرہ نہیں بنانا چاہیئے۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔ کہ جو شخص دوسرے کو کافر کہتا ہے۔ اگر وہ نفس الامر میں کافر نہ ہو گا۔ تو کافر کہنے والا یقینی طور پر کافر ہو جائے گا۔ اور لعنت کا حکم بھی یہی ہے۔ اگر وہ لعنت کا مستحق نہیں تو بولنے والا ضرور لعنتی ہو گا۔ چنانچہ تکفیر اور لعنت ملامت جہاں تک ہو سکے احتیاط کرنا

ضروری ہے۔

رسول ملائکہ سے افضل ہیں :۔

خواص بشر (انبیاء ورسل) خواص ملائکہ سے افضل ہیں۔ کیونکہ فرشتے تو انبیاء علیہم السلام کے پیغام رسان اور خدمت گذار ہوتے ہیں۔ اور عوام بشر (غیر انبیاء یعنی اولیاء اللہ اور اتقیاء) عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ خواص ملائکہ عوام بشر سے افضل ہیں۔ اس مسئلہ میں ساری امت کا اجماع ہے۔ اور کسی کو مجال اختلاف نہیں۔

انسان کی فضیلت فرشتوں پر اس دلیل سے سمجھی جاتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سجدہ خدمت کی اعلیٰ ترین علامت ہے۔ اور ادنیٰ اپنے اعلیٰ کی علو شان کا اعتراف کرتا ہے۔ چونکہ حضرت آدم کی افضلیت اس واقعہ سے ثابت ہو جاتی ہے۔ تو خواص بشر کی افضلیت تو واضح ہے۔ یہ بات بڑی عجیب و غریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ ناممکن ہے۔ اس کی حکمتوں کو وہی جانتا ہے۔ اس اعلیٰ کو ادنیٰ کی خدمت پر مامور کر کے اپنا کمال قدرت ظاہر فرمایا ہے۔

اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کے اظہار پر مجبور نہیں ہے۔ مگر یہ دلیل معتزلہ کے اس اعتقاد کے سامنے لائی جاتی ہے۔ جو ملائکہ کی افضیلت کے قائل ہیں۔ ہماری دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ عبادات و ریاضات اور دیگر کمالات کا حصول بڑا محنت طلب کام ہے۔ اور ثواب و جزاء حاصل کرنے کے لیے مجاہدہ و ریاضت نہایت ضروری چیز ہے۔ اگر کثرت ثواب کا نام فضیلت ہے تو یہ دلیل کافی ہے۔ لیکن فرشتے تو اس ریاضت اور کسب ثواب میں تو تجرد جسمانی حوائج۔ اور دوسری کدورتوں سے پہلے ہی بے نیاز ہیں۔ اس حساب سے فرشتوں کی افضلیت مانی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض محققین کی رائے یہ ہے۔ کہ افضلیت کی حیثیت مختلف ہے۔ یہ ایک لفظی بحث ہے۔ ریاضت۔ محنت اور شدت مجاہدت کی بنا پر اکتساب کمال کے معاملہ میں انسان یقیناً ملائکہ سے افضل ہیں۔ لیکن تجرد، پاکیزگی۔ قربت الہیۃ اور نورانیت کے نقطہ نظر سے ملائکہ بہت بلند رتبہ رکھتے ہیں۔

انسان کی جامعیت پر نگاہ ڈالی جائے۔ اور اس کا صفات الٰہی کا مظہر ہونا۔ اس کے اسماء

وصفات کا آئینہ دار بننا۔ پھر انعام خلافت کے پیش نظر انسان کی فضیلت ہی تسلیم کرنا پڑتی ہے۔

اس بحث کے باوجود بھی اعتقادی طور پر ہم یہ بات بلا شک وریب کہہ سکتے ہیں۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سید رسل ہیں۔ سید کائنات ہیں۔ افضل مخلوقات ہیں۔ خواہ وہ انسان ہوں۔ جن ہوں یا ملائکہ ہوں۔

جس طرح کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ انبیاء کی فضیلت تو فرشتوں پر تمام اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے۔ لیکن معتزلہ اور بعض اشعری علماء ملائکہ کو بشر سے افضل قرار دیتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ پر اپنی رائے کو محفوظ رکھتے ہوئے توقف اور تردد سے کام لیا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ آپ عمر کے ابتدائی دور میں تو ملائکہ کی افضلیت کے قائل تھے۔ مگر آخرین عمر میں آپ نے اس رائے سے رجوع فرمالیا تھا۔ اور بشر کو ملائکہ سے افضل ماننے لگے تھے۔

قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی اس مسئلہ میں توقف سے کام لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کو نہ جاننا۔ یا اس کا اظہار کرنا یا نہ کرنا ایمان و کمال کے نقص کا موجب نہیں ہے۔

امام تاج الدین سبکی جو مشہور شافعی عالم دین ہوئے ہیں۔ نقل کرتے ہیں۔ کہ اگر کسی کی ساری عمر تمام ہو جائے۔ اور اس کے دل میں فضیلت انبیاء کا خیال تک بھی نہ آئے۔ تو قیامت کے دن اس سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا۔ کہ تم افضلیت انبیاء کے قائل تھے۔ یا افضلیت ملائکہ کے۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے۔ کہ ہر مقام پر اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کرنا چاہیے۔ اور ہماری گفتگو کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے۔ کہ ہم حیثیت و مقام دیکھ کر فضیلت کا تعین کریں۔

اولیاء کا مقام :۔

اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں۔ مگر ولی اس شخص کو کہا جائے گا۔ جو معرفت خداوندی کا واقف ہو۔ طاعات خداوندی پر قائم رہے۔ عصیان و معصیت سے کنارہ کش رہے۔ اور لذات شہوانیہ سے پرہیز کرتا رہے۔ اگر ایسے شخص سے کوئی خرق عادت ظاہر ہو۔ تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ اور یہ چیز جائز ہے۔ دراصل ولی کی کرامت اس نبی کے معجزات کا عکس ہوتا ہے جس کی امت میں وہ ولی ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی علیہ السلام کے کئی قسم کے معجزات ہیں۔ بعض معجزات تو

بعثت سے ہی پہلے ظاہر ہوئے تھے ایسے معجزات کو ارہاصات کہتے ہیں۔ بعض معجزات اعلان رسالت کے بعد تا دم حیات ظاہر ہوتے رہے۔ مگر بعض معجزات ایسے بھی ہیں۔ جو بعد از رحلت وقوع پذیر ہوئے۔ یہ معجزات آپ کے تابعین یا اولیاء اللہ سے سرزد ہوتے رہے۔ درحقیقت ان تمام کرامات کو بھی حضور علیہ السلام کے معجزات کے سلسلہ کی ایک کڑی کہا جائے گا۔ یہ معجزات نبی علیہ السلام کے صدق اور صحت دین بن گئے ہیں۔

کرامات کا وجود تو اکثر صحابہ اور اولیائے امت سے تواتر کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اس موضوع پر کسی قسم کا تردد۔ انکار یا اظہار شبہ کی ضرورت نہیں۔ خاص کر بعض اولیاء امت جیسے کہ حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی امام عبد اللہ یافعی رحمتہ اللہ علیہما سے اکثر کرامات ظاہر ہوئیں۔ بعض علماء کی رائے ہے۔ کہ کرامات اولیاء اللہ نبی کے معجزات کی جنس میں نہیں آتے جس طرح کہ شق القمر۔ سلام حجر۔ سجدہ شجر وغیرہ وغیرہ بعض کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے۔ کہ ولی کی کرامت اس کے ارادہ و اختیار سے باہر ہوتی ہے۔ لیکن یہ بات ضروری ہے۔ کہ ولایت و کرامت کا دعویٰ کرنا غیر ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ نبی سے جو چیز بطور معجزہ ظاہر ہوتی ہے۔ وہ ولی اللہ سے بطریق کرامت ظاہر ہو سکتی ہے۔ اختیار یا عدم اختیار کی قید و تخصیص ضروری نہیں۔ بعض کرامات اختیاری اور بعض غیر اختیاری ہوتی ہیں۔ بعض کرامات ان اولیاء اللہ کے دعویٰ پر صادر ہوتی ہیں۔ جب کہ وہ ولایت اور صدق کے بلند ترین مقامات پر فائز ہوتے ہیں۔ یہ کرامات ان کے دعوؤں کے عین مطابق ظاہر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں اولیاء اللہ کے دعویٰ ان کے انبیاء کے صدق و صحت نبوت کی دلیل ہوتے ہیں سکتے ہیں۔ کہ اگر شیخ محی الدین عبد القادر نے کثیر دعویٰ کیے ہیں۔ تو وہ حق تھے۔ اور ان کے حق میں حقانیت بھی۔ جو دعویٰ ان اولیاء اللہ کے لیے منع ہے۔ وہ دعویٰ نبوت ہے۔ یہ دعویٰ ایک ولی کو دشمن دین مستحق اہانت اور لعنت بنا دیتا ہے معاذ اللہ۔

ولایت کے لیے ضروری نہیں کہ اظہار کرامت بھی ہو۔ ولی اللہ بغیر کرامت کے بھی ولی اللہ ہو سکتا ہے۔ اصل کرامت تو یہ ہے۔ کہ دین پر استقامت دکھائی جائے۔ الاستقامت فوق الکرامت لیکن کرامت کے اظہار میں حکمت یہ ہوتی ہے۔ سالک ابتدائے تربیت میں تکمیل یقین پا لے تاکہ

سلوک کی جدوجہد میں نہایت تن دہی سے کام کرتا چلا جائے۔ اور [illegible] دوسرے لوگوں کی ہدایت اور ان کے تردد و انکار کے شبہات کو دور کرنے کے لیے کرامت کا ہونا ضروری ہے۔

خوارق کی چار قسمیں ہیں۔ اگر نیک اعمال اور کامل ایمان کی حالت میں نہ ہوں۔ تو انہیں استدراج اور مکر کہا جائے گا۔ لیکن اگر ایمان کامل۔ اعمال صالح اور معرفت و تقویٰ کے ساتھ رونما ہوں تو اسے کرامت کہتے ہیں۔ اگر نبی سے اظہار کرامت ہو تو اسے معجزہ کہا [illegible] بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایسی چیزیں تمام مومنین یا اہل صلاح سے بھی رونما ہو جاتی ہیں۔ اسے معونت کہا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ جادو۔ طلسمات اور شعبدہ بازی خوارق عادت کے ضمن میں نہیں آتیں۔ کیونکہ یہ چیزیں پے بہ پے تجربات۔ عمل اور اسباب سے پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ اور ان حالات کو تواتر سے بروئے کار لانے سے بعض حیران کن واقعات رونما ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ایک حکیم طبیب یا ڈاکٹر کے فنی تجربات سے برلب مرگ مریض شفا سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ خرق عادت تو وہ چیز ہے جو خلاف عادت ہو۔

مقامات انبیاء و اولیاء:۔

کوئی ولی نبی کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو گناہ سے معصوم ہوتے ہیں انہیں نبوت سے معزولی اور برطرفی کا خوف نہیں ہوتا۔ اور انہیں برے خاتمے کا بھی غم نہیں ہوتا۔ انہیں وحی آتی ہے۔ اور خدا کے احکام و ہدایت لوگوں تک پہنچانے میں مامور ہوتے ہیں۔ اولیاء کے تمام کمالات انبیاء سے کم ہوتے ہیں۔ المختصر یہ کہ نبی کی ولی پر افضلیت تو قطعی اور یقینی ہے۔ اس کے برعکس اعتقاد رکھنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

بعض لوگ ولائیت کو نبوت سے افضل قرار دیتے ہیں۔ ان کے اس دعوے کی تردید یہ ہے کہ ہم سے زیادہ فضیلت والا نہیں ہو سکتا۔ ولائیت تو قرب الٰہی کا ایک درجہ ہے۔ اور اللہ کی طرف سے فائدہ ملتا ہے۔ مگر نبی پر انعام الٰہی کی خصوصیت ہوتی ہے۔ جس سے وہ مامور بالامر ہوتا ہے۔

نبوت کے لیے خلق اللہ کو فائدہ پہنچانا۔ قرب مع اللہ کی نسبت قائم ہونا بڑا ضروری ہے۔ نبی میں یہ دونوں صفات پائی جاتی ہیں۔ اس طرح وہ ولی سے فاضل ہوتا ہے۔ ان حالات کے باوجود بھی جو شخص یہ فیصلہ کرتا ہے۔ کہ ولی نبی سے افضل ہے۔ تو ہم اس کی بات کو رد کریں گے۔ اور اس شخص

کو مردود خیال کریں گے۔

— مقامِ عبدیت :۔

انسان کبھی بھی اس کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ کہ اس سے شریعت کی حدود ختم کر دی جائیں۔ بعض ملحد اور بے دین یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ ایک مقام پر پہنچ کر انسان شریعت کے تکلفات سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ ان کا مفروضہ یہ ہے۔ کہ جب انسان انتہائے محبت کو پہنچ جائے تو اسے دل کی صفائی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس کا ایمان واضح ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح اس سے شرعی احکام ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اسے گناہ کبیرہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ کلام محض گمراہی اور کفر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے بے خبری کی علامت ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کی محبت کی تکمیل تو دل کو صاف کر دیتی ہے۔ اور ایمان پختہ ہو جاتا ہے۔ اور طاعت و عبادت میں مصروف رہنے لگتا ہے۔ اور کامل ہو جاتا ہے۔ نہ کہ یہ صفتیں اسے مزید ناقص بنا دیں۔ اور تمام امور ساقط ہو جائیں۔ گناہ پر گرفت کرنا یا معاف کر دینا۔ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ مختار ہے۔ جسے چاہے گرفت کرے۔ جسے چاہے معاف کر دے۔ لیکن شرعی تکلیف کا ساقط ہونا کسی صورت میں درست نہیں۔

انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر محبت و ایمان کے تقاضوں کو کون پورا کر سکتا ہے۔ انہیں تو شرع کی پابندی اور تکلیف لازمی ہے۔ بعض لوگ اس بات کے جواب میں بھی کہا کرتے ہیں کہ انبیاء کرام کے افعال چونکہ احکام الٰہی کے جاری کرنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ بدیں وجہ وہ ترک افعال و اعمال نہیں کرتے۔

ایسے لوگ شرع جاری کرنے کے معنی بھی نہیں جانتے۔ اور اتنا خیال نہیں کرتے کہ شرع تو اس لیے ہے کہ لوگ اس پر عمل کریں۔ اور پیغمبروں کے اقوال کی پیروی کریں۔ لوگوں کو عمل کرنا چاہیے۔ تاکہ شرع جاری کرنے کی مصلحت باطل نہ ہو جائے۔ اور تکالیف شرع کسی طرح ساقط نہ ہو جائیں۔

— آیات و احادیث کی حجیت :۔

آیات و احادیث کا مطلب ظاہری صورت میں برآمد کرنا چاہیے۔ اور ان [illegible] کی [illegible] نہیں کرنا چاہیے۔ آیات و احادیث کی تحقیق و تاویل کے شرائط اور ان کے جائز و ناجائز ہونے کی وجوہات تفصیلی مطالعہ کے لیے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التفرقہ بین الکفر والزندقہ کا مطالعہ کرنا بڑا ضروری

سے ہے۔

آیات و احادیث کے ظاہری معنوں سے ہٹ کر تاویلی معنوں کی طرف جانا الحاد ہے۔ فرقہ باطنیہ اور ملاحدہ کہتے ہیں۔ کہ قرآن و حدیث کے ظاہر معنی مراد نہیں ہوتے۔ بلکہ ان سے رموز اور اشارے حاصل کرنے ضروری ہیں۔ ان رموز اور اشارات کو معلم کے بغیر کوئی بھی نہیں پا سکتا۔ اور پھر یہ لوگ امام کو معصوم معلم جانتے ہیں۔ اور حق کی معرفت اس کی تعلیم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ خیال الحاد و زندقہ کے ہیں۔

اگر ظاہری معنی مراد نہ لیے جائیں۔ تو نماز و روزہ طاعات و عبادات، و شریعت کے دوسرے احکام کہاں سے آئے ہیں۔ اور کس طرح ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور اگر ان احکامات شریعت کو محض رمز و اشارہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ تو پھر کتابوں کا نازل کرنا۔ شریعتوں کا نافذ کرنا فضول ہو کر رہ جائے گا۔ اور ان کے معلم تو پیغمبروں اور صحابہ سے بھی افضل قرار دیئے جائیں گے۔ کیونکہ یہ سب نصوص کے ظاہری معنی لیتے ہیں۔ اور ان کے ظاہری معنوں پر ہی عمل کرتے رہے ہیں۔ اور انہی ظاہری معنوں پر حکم لگایا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ملحدین دین کو بگاڑ کر پیش کرتے ہیں۔ جن محققین کو رموز و اشارات کا علم ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ باوجودیکہ کہ قرآن کی آیات میں رموز و اشارات پائے جاتے ہیں۔ مگر احکامات کا نفاذ محض ظاہری معنوں پر ہی ہوگا۔ اور ان لوگوں نے ظاہری معنوں سے کبھی پہلوتہی نہیں کیا۔

اس مسئلہ پر اس مثال سے ذہن نشین کریں۔ کہ فرعون و موسیٰ ظاہر میں موجود تھے۔ ان کے تمام واقعات ظاہری زندگی سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فرعون اور موسیٰ تو محض روح اور نفس کے نام ہیں۔ اور روح اور نفس کی کشمکش کی طرف سارے اشارے ہیں۔ موسیٰ اور فرعون کوئی شخصیت نہیں تھے۔ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ سے موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جوتے اتار لیں۔ اور وادی مقدس میں ننگے پاؤں آئیں۔ ان ظاہری معنوں کی خوبی کے باوجود عاشقان طریقت اس سے یہ مراد بھی لیتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قربت و محبت کی وادی میں دو جہان کے علائق سے دستبردار ہونا محبت کی علامت ہے۔ مگر ایسا کبھی نہیں کہا گیا۔ کہ نہ وادی قدس ہے۔ نہ موسیٰ نہ نعلین۔ اس سے زیادہ یاوہ گوئی اور بیہودہ خیال اور کیا ہو سکتا ہے۔

— زندوں کی دُعا سے مُردوں کا فائدہ :-

یہ ایک مسلم امر ہے۔ کہ زندوں کی دعاؤں اور صدقہ سے مردوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس موضوع پر احادیث اور آثار پائے جاتے ہیں۔ نماز جنازہ اسی قسم کی ایک دعا ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ جس مسلمان کی نماز جنازہ نو مسلمان ادا کریں۔ اس کی بخشش کے لیے دعا کریں۔ وہ بخشا جاتا ہے سعد بن عبادہ کی والدہ فوت ہو گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ کہ اس ضمن میں کونسا صدقہ اچھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ پیاسوں کو پانی پلایا جائے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوایا۔ اور کہا ھٰذا لِاُمِّ سَعْدٍ یہ کنواں اُم سعد کے لیے ہے[1]۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے۔

الدُّعاء تردُّ البلاء والصدقة تطفی غضب الرب — دعا بلا کو دور کرتی ہے۔ اور صدقہ اللہ تعالٰے کی آگ کو بجھاتا ہے۔ زندہ و مردہ دین و دنیا میں آرام پاتے ہیں۔

---

[1] خاتم المحدثین شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکوٰۃ شریف باب زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں "مستحب است کہ تصدق کردہ شود از میت بعد از رفتن او از عالم تا ہفت روز تصدق از میت نفع میکند او را بے خلاف میان اہل علم وارد شدہ است دراں احادیث صحیحہ خصوصاً آب و بعضے از علماء گفتہ اند کہ نمی رسد میت را مگر صدقہ و دعا و در بعض روایات آمدہ است کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر میکند کہ تصدق میکند از وے یا نہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخ الاسلام کشف الغطاء عما لزم للموتے علی الاحیاء فصل ہشتم میں فرماتے ہیں۔ در غرائب و خزانہ نقل کردہ کہ ارواح مومنین می آیند خانہائے خود را ہر شب جمعہ و روز عید و روز عاشورہ و شب براۃ پس ایستادہ می شوند بیرون خانہائے خود و ندا میکند ہر یکے با آواز بلند اندوہ گین اے اہل و اولاد من و نزدیکان من مہربانی کنید بر ما بصدقہ"۔ اسی میں ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ در شرح الصدور احادیث شتے در اکثر ازیں اوقات آوردہ اگرچہ اکثرے خالی از ضعف نیست۔ اکثرے کا لفظ صریح دلالت کر رہا ہے۔ کہ بعض بالکل ضعف سے خالی ہیں۔ تو صاحب مائۃ مسائل کا مطلقاً ان کی طرف

ایک حدیث میں آیا ہے ۔ کہ جب کوئی عالم دین یا طالب علم کسی گاؤں میں جاتے ہیں ۔ تو اس

ضعف کی نسبت کرنا کہ " ایں روایات را تضعیف ہم فرمودہ اند ۔ کذب وافترا ہے یا جہل واجترا اور استناد کا روایات صحیحہ مرفوعہ متصلہ الاسناد میں حصر اور صحاح کا صرف کتب ستہ پر قصر جیسا کہ صاحب مائۃ مسائل سے یہاں واقع ہوا جہل شدید وسفہ بعید ہے ۔ حدیث حسن بھی بالاجماع حجت ہے ۔ غیر عقائد واحکام حلال وحرام میں حدیث ضعیف بھی بالاجماع حجت ہے ۔ ہمارے ائمہ کرام حنفیہ وجمہور آئمہ کے نزدیک حدیث مرسل غیر متصل الاسناد بھی حجت ہے ۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قول صحابی بھی حجت ہے ۔ کہ یہ سب مسائل ادنیٰ طلبہ علم پر بھی روشن ہیں ۔ اور حدیث صحیح کا ان چھ کتابوں میں محصور نہ ہونا بھی علم حدیث کے ابجد خوانوں پر بیں اور مبرہن ہے ولکن الوہابیۃ قوم یجہلون طرفہ یہ کہ خود صاحب مائۃ مسائل نے اس کتاب اور اربعین میں اور بزرگان خاندان دہلی جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب وشاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تصانیف کثیرہ میں تو وہ روایات غیر صحاح و روایات طبقہ اربع اور ان سے بھی نازل تر سے استناد کیا ہے ۔ جیسا کہ ان کتب کے ادنیٰ مطالعے سے واضح ومبین ہے ولکن النجدیۃ یجحدون الحق وہم یعلمون امام اجل عبداللہ بن مبارک و ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے موقوفاً اور امام احمد مسند اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک ابونعیم حلیہ میں بسند صحیح حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً راوی ہٰذ و ھٰذا لفظ ابن المبارک :

قال ان الدنیا جنۃ الکافر و سجن المؤمن وانما مثل المؤمن حین تخرج نفسہ کمثل رجل کان فی السجن فاخرج منہ فجعل یتقلب فی الارض ویتفسح فیہا

بے شک دنیا کافر کی بہشت اور مسلمان کا قید خانہ ہے ۔ جب مسلمان کی جان نکلتی ہے ۔ تو اس کی مثال ایسی ہے ۔ جیسے کہ کوئی شخص زندان میں تھا ۔ اب آزاد کر دیا گیا ۔ تو زمین میں گشت کرنے اور بافراغت چلنے پھرنے لگا ۔ ابوبکر کی روایت یوں ہے ۔

فاذا مات المؤمن یخلی سربہ یسرح حیث شاء ۔

گاؤں کے قبرستان سے چالیس دن تک عذاب اٹھالیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے علم دین کے پڑھنے

جب مسلمان مرتا ہے۔ اس کی راہ کھول دی جاتی ہے۔ کہ جہاں چاہے جائے۔ ابن ابی الدنیا و بیہقی سعید مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضرت سلمان فارسی و عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما باہم ملے۔ ایک نے دوسرے سے کہا۔ کہ اگر تم مجھ سے پہلے انتقال کرو۔ تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا۔ کہا: کیا زندے اور مردے بھی ملتے ہیں کہا: نعم اما المؤمنون فان ارواحهم فی الجنة وهی تذهب حیث شاءت۔

بے شک مسلمانوں کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں۔ انہیں اختیار ہوتا ہے۔ جہاں چاہیں جائیں۔ ابن مبارک کتاب الزہد و ابوبکر ابن ابی الدنیا و ابن مندہ سلمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے راوی۔ قال ان ارواح المؤمنین فی برزخ من الارض تذهب حیث شاءت و نفس الکافر فی سجین۔

بے شک مسلمانوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہیں جہاں چاہیں جاتی ہیں۔ اور کافر کی روح سجین میں مقید ہے۔ ابن ابی الدنیا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے راوی قال بلغنی ان ارواح المؤمنین مرسلة تذهب حیث شاءت۔

مجھے حدیث پہنچی ہے۔ کہ مسلمانوں کی روحیں آزاد ہیں۔ جہاں چاہیں جاتی ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں: رجح ابن عبد البران ارواح الشهداء فی الجنة وارواح غیرهم علی افنیة القبور فتسرح حیث شاءت

امام ابوعمر ابن عبدالبر نے فرمایا راجح یہ ہے کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں۔ اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں۔ علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں۔ ان الروح اذا انخلعت من هذا الهیکل وانفکت من القیود بالموت تجول الی حیث شاءت۔

بے شک جب روح اس قالب سے جدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے۔ جولاں کرتی ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی تذکرۃ الموتیٰ میں لکھتے ہیں: ارواح ایشاں یعنی اولیاء کرام قدس اسرارہم از زمین و آسمان و بہشت

پڑھنے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہزاروں پر حافظان قرآن ۱۱

ہر جا کہ خواہند میروند" خزانۃ الروایات میں ہے۔

عن بعض العلماء المحققین ان الارواح تخلص لیلۃ الجمعۃ و تنتشروا فجاءوا الی مقابرھم ثم جاءوا فی بیوتھم۔

بعض علماء محققین سے مروی ہے۔ کہ روحیں شب جمعہ چھٹی پاتی اور پھیلتی ہیں۔ پہلے اپنی قبروں پر آتی ہیں۔ پھر اپنے گھروں میں۔ دستور القضاۃ مستند صاحب مأۃ مسائل میں فتاویٰ امام نسفی سے ہے۔

ان ارواح المؤمنین یاتون فی کل لیلۃ الجمعۃ و یوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کل واحد منھم بصوت حزین یا اھلی و یا اولادی و یا اقربائی اعطفوا علینا بالصدقۃ واذکرونا و لا تنسونا وارحمونا فی غربتنا الخ

بے شک مسلمانوں کی روحیں ہر روز و شب جمعہ اپنے گھر آتی اور دروازے کے پاس کھڑے ہو کر دردناک آواز سے پکارتی ہیں۔ کہ اے میرے گھر والو، اے میرے بچو اے میرے عزیزو، ہم پر صدقہ سے مہر کرو۔ ہمیں یاد کرو۔ بھول نہ جاؤ۔ ہماری غربت میں ہم پر ترس کھاؤ۔ نیز خزانۃ الروایات مستند صاحب مأۃ مسائل میں ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنھما اذا کان یوم عید او یوم جمعۃ او یوم عاشوراء او لیلۃ النصف من الشعبان تاتی ارواح الاموات و یقومون علی ابواب بیوتھم فیقولون ھل من احد یذکرنا ھل من احد یترحم علینا ھل من احد یذکر غربتنا الخ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے جب عید یا جمعہ یا عاشورے کا دن یا شب برات ہوتی ہے۔ اموات کی روحیں آکر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی اور کہتی ہیں۔ ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے۔ ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے۔ ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔ اسی طرح کنز العباد میں بھی کتاب الروضہ امام زندویسی سے منقول یہ مسئلہ کہ نہ عقائد کا ہے نہ فقہ کے حلال و حرام کا ایسی جگہ وہ۔ ایک سند بس بھی بس ہوتی ہیں۔ نہ کہ اس قدر کثیر و وافر۔ امام جلال الملۃ والدین سیوطی مناہل الصفا فی تخریج احادیث

مدرسین کو مقرر کرنا بڑا ثواب ہے۔

الشفاء زیر رشائے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

لم اجدہ فی شئی من کتب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخلہ ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفی بذلک سند المثلہ فانہ لیس مما یتعلق بالاحکام

یعنی میں نے یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نہ پائی۔ مگر صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے مدخل میں اسے ایک حدیث طویل میں بے سند ذکر کیا۔ ایسی حدیث کو اتنی ہی سند کافی ہے۔ کہ وہ کچھ احکام سے متعلق نہیں۔ باقی رہا ضلال حال کے شیخ الضلال گنگوہی کا براہین قاطعہ میں زعم باطل کہ ارواح کا اپنے گھر آنا۔ یہ مسئلہ عقاید کا ہے۔ اس میں مشہور و متواتر صحاح کی حاجت ہے قطعیات کا اعتبار ہے۔ نہ ظنیات صحاح کا یعنی اگر صحیح بخاری و صحیح مسلم کی بھی صحیح و صریح حدیثوں میں جو کہ روعیں آتی ہیں۔ تو وہ حدیثیں بھی ان کے دھرم میں مردود ہوں گی۔ کہ ان روایات میں عمل نہیں۔ بلکہ علم ہے اور تسلیم بھی کر لیجے۔ تو فقط عمل ہے۔ نہ فضل عمل۔ براہین قاطعہ لما امر اللہ بہ ان یوصل میں چار ورق سے زائد پر یہی اعجوبہ اضحوکہ طرح طرح کے مزخرفات سے آلودہ اندودہ کیا ہے۔ سخت جہالت ہے۔ اقول۔

اگر جملہ خبریہ جس میں کسی بات کا ایجاب یا سلب ہو۔ اگرچہ اسے نفیاً و اثباتاً کسی طرح عقائد میں دخل نہ ہونا۔ فی یا مثبت کسی پر اس نفی و اثبات کے سبب حکم ضلالت و گمراہی محتمل نہ ہو۔ سب باب عقائد میں داخل ٹھہرے جس میں احادیث بخاری و مسلم بھی جب تک متواتر نہ ہوں۔ نامقبول ٹھہریں تو اولاً سیر و مغازی و مناقب یہ علوم کے علوم سب گاؤ خورد و دریا برد ہو جائیں۔ حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں۔ کہ ان علوم میں صحاح در کنار ضعاف بھی مقبول سیرت انسان العیون میں ہے۔

لا یخفی ان السیر تجمع الصحیح والسقیم والضعیف والبلاغ والمرسل والمنقطع والمعضل دون الموضوع وقد قال الامام احمد وغیرہ من الائمۃ اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوھا تساھلنا۔

اس مبحث کی تفصیل فقیر کی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں ملاحظہ ہو۔

قبولیت دعاء:۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ اور حاجات

یہی نہ دیکھیئے۔ رتائے مذکور امیر المومنین کیا فضائل اعمال سے تھا۔ وہ بھی باب علم سے ہے۔ جس میں امام خاتم الحفاظ نے بعض علما کی بے سند حکایت بھی کافی بتائی ثانیاً علم رجال مردہ ہو جائے۔ کہ وہ بھی علم ہے نہ عمل و فضل۔ عمل اور غیر قطعیات سب باطل و مہمل۔ ثالثاً دو تہائی سے زائد بخاری و مسلم کی حدیثیں محض باطل و مردود قرار پائیں۔ رابعاً عقائد و اعمال میں تفرقہ جس پر اجماع آئمہ ہے۔ ضائع جائے۔ کہ احکام حلال و حرام میں کیا اعتقاد حلت و حرمت نہیں لگا ہوا ہے۔ اور وہ عمل نہیں۔ بلکہ علم ہے۔ تو کسی شے کے حلال یا حرام سمجھنے کے لیے بخاری و مسلم کی حدیثیں مردود اور جب حلال اور حرام کچھ نہ جانیں تو اسے کیوں کریں۔ اس سے کیوں بچیں۔ خامساً بلکہ فضائل اعمال میں بھی احادیث صحیحین کا مردود ہونا لازم۔ حالانکہ ان میں ضعیف حدیثیں بھی یہ سفیہ خود مقبول مانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عمل میں یہ خوبی ہے۔ اس پر یہ ثواب جاننا خود عمل نہیں۔ بلکہ علم ہے اور علم باب عقائد سے ہے۔ اور عقائد میں صحاح ظنیات مردود۔ سادساً اگلے صاحب نے تو اتنی مہربانی کی تھی۔ کہ حدیث صحیح مرفوع متصل السند مقبول رکھی تھی۔ انہوں نے بخاری و مسلم بھی مردود کر دیں۔ جب تک قطعیات نہ ہوں۔ کچھ نہ سنیں گے۔ ؎

؎ قدم عشق بیشتر بہتر

سابعاً ختم الٰہی کا ثمرہ دیکھئے۔ اسی براہین قاطعہ لما امر اللہ بہ ان یوصل میں فضیلت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باب فضائل سے نکلوا کر اس تنگنائے اعتقادیات میں داخل کرایا۔ تاکہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی جو وسعت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دال ہیں۔ مردود ٹھہریں۔ اور وہیں وہیں اوسی منہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے علم عظیم کی تنقیص کو محض ایک بے اصل و بے سند حکایت سے سند لایا۔ کہ شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں۔ کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے اسے ہرگز روایت نہ کیا۔ بلکہ اعتراضاً ذکر کر کے صاف فرما دیا تھا۔ کہ "ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ است" غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

کو برلاتا ہے۔ اگر خلوص نیت اور حضور دل سے دعا کی جائے۔ اور عاجزی و تفرع سے بارگاہ رب

فضائل ماننے کو توجب تک حدیث قطعی نہ ہو۔ بخاری و مسلم بھی مردود اور معاذ اللہ حضور کی تنقیص فضائل کے لیے بے اصل و بے سند و بے سروپا حکایت مقبول و محمود اور پھر دعویٰ ایمان و امانت و دین و دیانت بدستور موجود۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۔

بالجملہ یہ مسئلہ نہ باب عقائد سے نہ باب احکام حلال و حرام سے۔ اسے جتنا ماننا چاہیئے اس کے لیے اتنی سندیں کافی و وافی۔ منکر اگر صرف انکار یقین کرے۔ یعنی اس پر جزم و یقین نہیں تو ٹھیک ہے۔ اور عامہ مسائل سیر و مغازی و اخبار و فضائل ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اس کے باعث وہ مردود نہیں قرار پا سکتے۔ اور اگر دعوائے نفی کرے۔ یعنی کہے مجھے معلوم و ثابت ہے کہ روحیں نہیں آتیں۔ تو جھوٹا کذاب ہے۔ بالفرض اگر ان روایات سے قطع نظر بھی تو غایت یہ کہ عدم ثبوت ہے نہ کہ ثبوت عدم اور بے دلیل عدم ادعائے عدم محض تحکم و سم آنے کے بارے میں تو اتنی کتب و علما کی عبارات اتنی روایات ہیں بھی نفی و انکار کے لیے کون سی روایت ہے۔ کس حدیث میں آیا کہ روحوں کا آنا باطل و غلط ہے۔ تو ادعائے بے دلیل محض باطل و ذلیل تو کیسی ہٹ دھرمی ہے۔ کہ طرف مقابل پر روایات موجودہ صرف بربنائے ضعف مردود اور اپنی طرف روایت کا نام نہ نشان اور ادعائے نفی کا بلند نشان۔ روحوں کا آنا۔ اگر باب عقائد سے ہے تو نفیاً و اثباتاً اسی باب سے ہوگا۔ اور دعوئ نفی کے لیے بھی دلیل قطعی درکار ہوگی۔ یا مسئلہ ایک طرف سے باب عقاید میں ہے کہ احتجاج بخاری مردود اور دوسری طرف سے ضروریات میں سے کہ اصلاً حجت و دلیل مفقود۔ ولکن الوھابیۃ لا یعقلون ۔

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم فقط

کتبـــــــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ماخوذ از اتیان الارواح لدیارہم بعد الرواح

۱۳۰۱ھ

العزت میں سربسجود ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اسے کبھی رد نہیں کرتی۔ اور دنیا و آخرت میں اسے قبول فرما لیتی ہے۔

قبولیت دعا کی شرائط :-

دعا کے قبول ہونے کی بھی کئی شرائطیں ہیں۔ اور پھر قبولیت دعا کے مواقع ہیں۔ سب سے پہلی شرط یہ ہے۔ کہ حضور قلب اور قوت حلال میسر ہو۔ دعا کے قبولیت میں سب سے رکاوٹ اس بات سے ہوتی ہے۔ کہ دعا کرنے والا کہتا ہے۔ کہ میں نے بار بار دعا کی۔ مگر قبول نہیں ہوئی۔ حالانکہ قبولیت دعا کی شرطیں نہ ہوں۔ اور ان کے موانعات موجود ہوں تو دعا کیسے قبول ہو۔ لیکن پھر بھی خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔

المختصر دعا ایک عبادت ہے۔ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ۔ دعا عبادت کا مغز ہے۔ جس طرح مختلف عبادتیں اپنے اپنے وقت اور سبب کے لیے ضروری ہیں۔ ایسے ہی دعا کی قبولیت کے مواقع اور اسباب ہوتے ہیں۔ بلا و مصیبت کے وقت دعا کا ہونا بڑا ضروری ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ تم دعا مانگو۔ میں اسے قبول کروں گا۔

اے اخی دست کردن بدار — با اجابت یا روایت چہ کار
بس دعا ہا زیان ست و وبال — از کرم می نشنود شان ذوالجلال

ایک کسان کسی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر عربی گھوڑا مانگے۔ اور بادشاہ اس کے بدلے اسے ایک بیلوں کی جوڑی دیدے۔ تو ظاہر میں بادشاہ نے اس کی دعا قبول نہیں کی۔ اور جیسا گھوڑا وہ چاہتا تھا۔ اسے نہیں دیا۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ جو چیز اسے دی گئی ہے وہ گھوڑے سے کئی بار بہتر ہے۔ بیلوں سے اس کی کھیتی میں جو فائدہ ہوگا۔ وہ گھوڑے سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ گھوڑا تو اس کے معیار زندگی میں اور وبال جان بن جائے گا۔

اسی طرح ہم دنیا کی فضول اور بےکار چیزوں کی درخواست کرتے ہیں۔ اور اس دعا کا قبول نہ ہونا۔ ہمارے لیے مفید ہے۔ نفس کی لذتوں میں پڑ کر رضائے الٰہی سے محروم رہتے ہیں۔ اور آخرت کے عذاب میں پھنس جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر نور بصیرت دے۔ تو حسن ظن سے طلب صادق کرنا چاہیئے۔ بعض چیزوں سے محرومی بھی اللہ تعالیٰ کے احسانات کا دوسرا نام ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ کہ مسح کی نسبت پاؤں کو دھونا زیادہ افضل ہے۔ مگر مسح کے جواز کو تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔ جو تہمت کے مقام پر رخصت کو اختیار کریں۔ وہ مصلحت سے زیادہ قریب ہیں۔

— گناہ پر فخر:۔

گناہ کو حلال جاننا۔ ہلکا سمجھنا بھی کفر کے قریب ہے۔ گناہ اگرچہ شہوت کے غلبہ۔ کہ بشریت کے تقاضا سے ہو۔ گناہ کو گناہ ہی تصور کرنا چاہیئے۔ اور اپنے گناہ کا اقرار کرنا چاہیئے۔ چھوٹے گناہ کا ہلکا جاننا۔ یا اسے بے حقیقت خیال کرنا اتنا ہی کافی ہے۔ کہ اسے عذاب کا ذریعہ نہ بنائیے۔ ورنہ صغیرہ گناہ متواتر کرنے سے کبیرہ گناہوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

— شریعت سے تمسخر:۔

احکام شرع کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ یہ مذاق و تمسخر دراصل شریعت کے جھٹلانے اور انکار کرنے کی علامت ہے۔

— مذاقاً اقرار کفر:۔

کلمہ کفر مذاق و تمسخر سے کہنا بھی کفر ہے۔ اگرچہ اس کے معنی دل میں کچھ اور ہی لیے جائیں۔ اور ان پر اعتقاد بھی نہ ہو۔ مذاق سے دراصل استخفاف پیدا ہوتا ہے۔ جب گناہ کا استخفاف کفر ہے۔ تو کفر کا استخفاف تو بدرجہ اتم کفر ہے۔ خواہ یہ بات نہ جانتا ہو کہ یہ کفر ہے۔ مگر نہ جاننے سے جرم کی معافی نہیں ہو سکتی۔ بعض علماء نے ان لوگوں کی رعایت کی ہے۔ جو نادانستہ کلمۂ کفر کہہ دیں۔ بھولے سے یا بے اختیار زبان سے کلمۂ کفر نکل جائے تو اس پر کفر واقع نہیں ہوتا۔

— نشہ میں کلمات کفر:۔

بدمستی اور نشے کی حالت میں کلمہ کفر کے سرزد ہونے سے کافر نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ نشہ کی حالت میں عقل ماؤف ہوتی ہے۔ ہاں دوسرے تصرفات جیسے طلاق دینا۔ غلام آزاد کرنا۔ خرید و فروخت کرنا۔ یہ بعض اقرار سے کفر واقع ہو جاتا ہے۔ فرق اتنا ہے۔ کہ کفر ایک بہت بڑا کام ہے۔ اور جہاں تک ہو سکے۔ اس امر سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ اور زوال عقل اس کا علاج اور عذر تو ہو سکتا ہے۔ مگر اسلام تو ایک مرغوب و مطلوب چیز ہے۔ جس طرح ہو سکے۔ اس کا اثبات ضروری ہے۔

کافر کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ہاں گمراہی کی دعاؤں کو قبول کر لیا جاتا ہے۔ وہ دنیا کے کاموں کے لیے دعا کرے تو قبول ہوتی ہے۔ البتہ مظلوم خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

فاسق کی قیادت :۔

ہر نیک و بد کے پیچھے نماز ادا ہو جاتی ہے۔ نماز جماعت ترک کرنا درست نہیں۔ اور اس چیز کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ امام پرہیزگار اور متقی ملے تو نماز با جماعت ادا کریں گے۔ جماعت سنت مؤکدہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے نماز با جماعت کی سختی سے تاکید فرمائی ہے۔ ہاں اگر مرد صالح و متقی میسر ہو سکے۔ تو امامت کے فرائض وہی ادا کرے۔ ورنہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز روا ہے جبکہ فاسق و فاجر کے پیچھے بھی نماز جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کا فسق کفر تک نہ پہنچ جائے۔ لیکن اتنا ضروری ہے کہ امام نماز کے ارکان احکام اور قرآن کے اتنی آیات سے واقف ہو۔ جس سے نماز ہو سکے۔

موزوں پر مسح :۔

علماء اہل سنت وجماعت کے نزدیک موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور یہ سنی ہونے کی علامت ہے۔ بحالت قیام ایک دن اور ایک رات تک مسح کر لے۔ اور بحالت سفر تین دن اور تین رات مسح کرتا رہے۔

سُنیوں کی تین علامتیں :۔

تفضیل الشیخین۔ محبۃ الختنین اور مسح علی الخفین۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سب صحابہ سے بہتر جاننا۔ حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا۔ اور موزوں پر مسح کرنا۔ شیعہ حضرات ان تینوں علامات سے خالی ہیں۔ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا۔ جو موزوں کے مسح کو جائز خیال کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موزوں پر مسح کرنے کو دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ مسافر کو تین رات دن اور مقیم کو ایک دن رات درست ہے۔ آپ نے زور دے کر کہا۔ کہ میں نے نبی علیہ السلام سے ایسا ہی سنا ہے۔ ایک دوسری جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر شریعت میں عقل کے قیاس پر حکم ہوتا۔ تو موزوں کے تلے پر مسح کرنے کا حکم دیتا۔ لیکن شریعت کے حکم کے سامنے موزوں کے اوپر مسح کرنا ہی تسلیم کیا گیا ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک نشہ کی حالت میں کلمہ کفر سے کفر واقع ہو جاتا ہے۔

کاہن اور نجومی کی حیثیت :۔

جو کاہن غیب جاننے کا دعویٰ کرے۔ اسے سچا ماننا بھی کفر ہے۔ حدیث پاک میں نص صریح موجود ہے۔ کہ جو شخص کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات کو سچا مانے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور اس دین سے اس کا کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ جس دین کو حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا۔

عرب میں بہت سے کاہن علم غیب کا دعویٰ کرتے تھے۔ جن اور شیاطین انہیں خبریں دیتے تھے۔ نجومی بھی کاہن کی طرح ناقابل یقین شخصیت ہے۔ نجومی کی بات پر یقین کرنا۔ اسے سچا ماننا کفر ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ستاروں کے اثرات۔ آسمان کی گردش۔ موسمی تغیرات سردی گرمی کی کمی بیشی کے اثرات فصلوں اور پھلوں کے پکنے اور دوسرے کاموں پر وارد ہوتے ہوتے ہیں۔ مگر ان چیزوں کی کمی اور بیشی پر سعادت اور نحوست کا قیاس کرنا غلط ہے۔ اگر بعض مقامات پر فصل کی زیادتی کسی کی سعادت کا ذریعہ بن بھی جائے۔ تو شریعت میں اس سعادت و ترقی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر پہلی شریعتوں میں درست تھا۔ تاہم شریعت محمدیہ نے ان شریعتوں کے احکام کو منسوخ کر دیا ہے۔

امیدوار رحمت الٰہی :۔

اللہ کی رحمت سے نا امید ہونا کفر ہے۔ اور اللہ کی رحمت سے کافروں کے علاوہ کوئی بھی مایوس نہیں ہوتا۔ مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو۔ رحمت خداوندی سے مایوس نہیں ہوتا۔ یہ امید رکھنا ضروری ہے۔ کہ توبہ سے خدا کی رحمت خداوندی گناہوں کو معاف کر دیتی ہے۔ جہاں رحمت خداوندی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ وہاں اس کے خوف سے بے نیاز ہونا بھی کفر ہے۔ اللہ کے خوف سے محض کافر ہی بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ جن لوگوں پر عذاب الٰہی ہونا ہوتا ہے۔ ان پر ناز و نعمت دنیا کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ یاد خداوندی سے غافل ہو جائے۔ اور مغرور ہو جائے۔ پھر جب اس کی گرفت آتی ہے تو اسے خبر تک نہیں ہوتی۔

— ایمان وخوف کی اہمیت :-

ایمان توامید اور خوف کے درمیان ہے۔ امید کے متعلق یہ بات یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اگر یہ سن لیا جائے کہ جنت میں محض ایک ہی آدمی داخل ہوتا ہے۔ تو یہ امید رکھے کہ میں ہی جنتی ہوں گا اور اگر یہ سنے کہ دوزخ میں ایک ہی شخص ہوگا۔ تو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ ایک شخص میں ہی ہوں گا۔

آنہا کہ خواص در گہہ تکریم اند — دہشت زدگاں عالم تسلیم اند
نومید مشو کہ رحمت حق عام است — مغرور مشو کہ خاصگاں در بیم اند

بزرگان دین کا مقولہ ہے۔ کہ زندگی میں خوف خداوندی کا غلبہ ہونا چاہیے۔ لیکن رحلت کے وقت رحمت خداوندی کا امیدوار ہونا چاہیئے۔ سعادت کی علامت یہی ہے۔ اور الایمان بین الخوف والرجا میں یہی اشارہ ہے۔ اعلموا ان اللہ شدید العقاب واللہ غفور رحیم۔

الحمدللہ یہ کتاب رحمت خداوندی اور امید مغفرت پر ختم ہوا۔